ربیع الثانی، جمادی الاول
علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ
دسمبر 2021

ماہ نامہ ذوق و شوق کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Jamia-Uloom-Islamiyyah
(University of Islamic Sciences)
Allama Muhammad Yousuf Banuri Town
Karachi - Pakistan.

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن
کراچی ۷۴۸۰۰ - پاکستان

Ref. No. _____

Date. _____

باسمہ تعالیٰ

از: حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب دامت برکاتہم
محترم اساتذہ کرام، ائمہ مساجد، ذمہ داران مدارس ومکاتب اور پرنسپل حضرات

طلبہ وطالبات کی تربیت کے لیے چند گزارشات

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بچوں کی اچھی تعلیم وتربیت ہمارا اسلامی وقومی فریضہ ہے۔ بچے ملک وقوم کے معمار اور معاشرے کا حسن ہوتے ہیں۔

اگر انھیں صحیح تعلیم وتربیت دی جائے تو اس سے ایک مضبوط اور مثالی معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ کیوں کہ انھی بچوں میں سے پڑھ لکھ کر کوئی ڈاکٹر بنتا ہے، کوئی انجینئر، کوئی عالم دین، کوئی افسر، کوئی تاجر، کوئی قانون دان، کوئی سیاست دان تو کوئی صحافی، الغرض زندگی کے مختلف شعبوں سے وابستہ ہوکر وہ ملک وقوم کی خدمت میں حصہ لیتے ہیں۔

بچوں کی تعلیمی وتربیتی ترقی کے لیے آپ ۴ کام پابندی سے فرمائیں تو ایک کام یاب معاشرے کے وجود میں آپ کا ضرور حصہ ہوگا:

۱۔ آپ بچوں کے لیے خوب دعائیں مانگیں، ان پر خوب محنت کریں، ان کے بول چال پر نظر رکھیں۔ سچائی، امانت داری، ایثار، والدین کی اطاعت، بڑوں کا ادب، پڑوسیوں کا خیال، چھوٹوں پر شفقت اور ہر کام کو محنت ولگن سے صحیح طریقے سے کرنے کا بار بار درس دیں۔ یہ صفات بچوں کی زندگی میں آجائیں اس کے لیے "تربیتی نصاب" کے نام سے ایک نصاب تیار کیا گیا ہے۔

۲۔ بچوں کی ذہنی صلاحیت کو مدنظر رکھتے ہوئے انبیائے کرام علیہم السلام، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین وتبع تابعین رحمہم اللہ اور بزرگان دین کے حالات اور واقعات کو مختلف مثالوں اور کہانیوں کے ذریعے ان کے سامنے بیان کریں۔ ساتھ ہی عملی پہلوؤں کی الگ سے نشان دہی بھی کریں۔ اس کے علاوہ "صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واقعات" اور "تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کے واقعات" نامی کتابوں سے بچوں کو پڑھ کر سنائیں اور ان کو مطالعہ کرنے کی ترغیب دیں۔

۳۔ بچوں کو اردو زبان میں اچھے مواد پر مشتمل دینی رسائل وجرائد کے پڑھنے اور ان میں لکھنے کا عادی بنائیں۔ جس سے انھیں زبان وبیان کے ساتھ عمدہ تحریر پر قدرت حاصل ہوگی۔ پھر جب وہ عملی میدان میں جائیں گے تو آنے والی نسلوں کے سامنے اپنی بات اچھے انداز میں پیش کرسکیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

الحمد للہ! اسی سوچ کو سامنے رکھتے ہوئے "جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن" "وفاق المدارس العربیہ پاکستان" کے فضلاء اور "اسکولوں کے اساتذہ کرام" کی زیر نگرانی بچوں کا ماہ نامہ "ذوق وشوق" شائع ہورہا ہے۔ ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ جس میں بچوں کو اساتذہ کرام اور والدین کے ادب، اسکول ومدرسے کی پابندی، پان گٹکا اور بری صحبت سے بچنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ میں اسے اللہ تعالیٰ کا خاص فضل سمجھتے ہوئے شکر بھی ادا کرتا ہوں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي بِنِعْمَتِهِ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ

۴۔ اسکولوں میں بچوں کی تربیت کے لیے "پانچ منٹ کا مدرسہ" ایک کتاب تیار کی جارہی ہے۔ اگر اسمبلی میں روزانہ ۵ منٹ بچوں کو کتاب پڑھ کر سنا دی جائے تو بہت فائدہ ہوگا۔ ائمہ مساجد اور بنات کے مدارس کے مہتممین سے بھی یہی گزارش ہے کہ وہ اس کتاب کو طالبات اور مقتدیوں کو بعد فجر یا عصر مناسب ہو تو سنائیں۔

آپ حضرات سے گزارش ہے کہ خود بھی اس کا مطالعہ کریں اور اپنے گھر، خاندان، اسکول، مکاتب اور مدارس کے بچوں کو اس کے پڑھنے کی خوب ترغیب دیں۔ تاکہ ہماری نسل کتاب دوست بنے۔ مساجد سے ملحق چھوٹی سی لائبریری بنائیں، نوجوانوں کو مطالعے کا شوق دلوائیں۔

میں امید کرتا ہوں کہ آپ میری اس گزارش پر عمل کرکے معاشرے کی اصلاح میں اپنا کردار ضرور ادا کریں گے۔

اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی قدم قدم پر مدد فرمائے اور آپ حضرات کو ہمیشہ سرسبز وشاداب رکھے۔ آمین

والسلام

عبدالرزاق اسکندر

۱۴۴۰/۱/۲

P.O. Box: 3465 Karachi Code No. 74800, Phone: (0092-21) - 34913570 - 34912683 - 34915966 - 34123366 - 34121152
Fax: (0092-21) - 34919531, Karachi Pakistan. URL: www.banuri.edu.pk , E-mail: info@banuri.edu.pk

پیغامِ الٰہی جل جلالہ

عبداللہ

(مفہوم آیت سورۂ صافات:۵۶)

''جنتی شخص اپنے ساتھی سے کہے گا: بخدا! تم تو مجھے بالکل ہی برباد کر دیتے۔

عزیز ساتھیو! اس آیت میں جنتی شخص کا وہ جملہ ذکر کیا گیا ہے جو وہ اپنے اُس دوست کو دیکھ کر کہے گا جس نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی بات نہیں مانی تھی اور اُس شخص کے نیک کاموں اور اچھے خیالات پر اُس کا مذاق اُڑایا تھا۔

قصہ کچھ یوں ہے کہ دو دوست ایک کاروبار میں شریک تھے، دونوں کو چار چار ہزار کی آمدنی ہوئی۔ ایک دوست نے ان پیسوں کو ہزار ہزار کر کے دنیا بنانے میں ہی صَرف کر ڈالا، جب کہ دوسرا دوست نیک تھا، اُس نے انھیں اللہ کی راہ میں اور خیر کے کاموں میں خرچ کیا اور اُن کے بدلے میں گویا اللہ تعالیٰ سے جنت کا سودا کر لیا۔ چند دن بعد اس نیک شخص کو اِتفاق سے ایک شدید ضرورت پیش آئی۔ اُس نے سوچا کہ اپنے دوست کے پاس جاؤں تو شاید وہ کچھ مدد کر دے۔ نیک شخص نے جب اپنے دوست سے اس ضرورت کا ذکر کیا تو اُس نے پوچھا کہ تمھارے مال کا کیا ہوا؟ نیک شخص نے جب اپنا قصہ سنایا تو اُس دوست نے نیک شخص کا مذاق اڑایا اور کہا کہ جاؤ، میں تمھیں کچھ نہیں دوں گا۔ کچھ عرصے بعد دونوں کا انتقال ہو گیا۔

آخرت میں جب اس نیک شخص کو جنت نصیب ہوگی تو اُسے اپنے دوست کا خیال آئے گا، لیکن وہ آس پاس اپنے اُس دوست کو نہیں پائے گا تو اُسے جہنم میں دیکھنے کا موقع دیا جائے گا، وہاں جب اپنے دوست کا انجام دیکھے گا تو کہے گا کہ تُو تو مجھے لے ہی ڈوبتا، اگر میرے رب کا فضل مجھ پر نہ ہوتا تو میں بھی تیری طرح دھر لیا جاتا۔

محترم دوستو! یہ عقل مند آدمی تھا۔ اس نے اپنے آپ کو اپنے بُرے دوست کی بات ماننے سے بچا لیا اور دنیا میں اُس کے بُرے خیالات پر کان نہ دھرے، لہٰذا آخرت میں وہ خوش ہوگا اور اپنے بُرے دوست جیسے انجام سے بچ جانے پر شکر اَدا کرے گا۔ اس آیت میں یہی پیغام دیا جا رہا ہے کہ ہر ایسی مجلس اور ایسی صحبت سے دور رہنا ہے جو بُرے اعمال و اخلاق کی طرف لے جانے والی ہو، جس کا انجام ہمیشہ افسوس و ندامت پر ہی ہوتا ہے اور ایسی مجلس اور صحبت کو اِختیار کرنا ہے جو اچھے اعمال و اخلاق سے مزین ہونے کا ذریعہ بنے، جس کا انجام دونوں جہاں میں خوشیوں اور راحتوں کی شکل میں ہی ظاہر ہوتا ہے۔

پیغامِ نبوی ﷺ

راشد علی نواب شاہی

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''تمھارے سرموں میں سے سب سے بہتر سرمہ ''اِثمد'' ہے، جو آنکھوں کی روشنی کو بڑھاتا ہے اور پلکوں کے بال اُگاتا ہے۔''

(ابوداؤد، ۳۸۸۰، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما)

عزیز ساتھیو! اللہ تعالیٰ نے ہمیں بے شمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ پانی، ہوا، آگ، روشنی، کان، دل و دماغ، ہاتھ پاؤں، ماں باپ وغیرہ وغیرہ۔ اگر ہم ان نعمتوں کو شمار کرنے لگ جائیں تو شمار نہیں کر سکتے۔

ان نعمتوں میں ایک بہت بڑی اور عظیم نعمت آنکھ ہے۔ اس آنکھ کی حفاظت کے لیے ہمارے پیارے نبی ﷺ نے ہماری اثمد سرمہ لگانے کی طرف راہ نمائی فرمائی ہے۔

یہ سرمہ سعودی عرب میں ہوتا ہے۔ ہم لوگ جب سعودی عرب حج و عمرے کے لیے جائیں تو یہ سرمہ لے آئیں اور پابندی سے اسے لگائیں۔

اس سے آنکھوں کی روشنی بھی بڑھتی ہے اور پلکوں کے بال بھی آتے ہیں۔

اگر ہم خود نہ جائیں تو ہمارے رشتے داروں میں جو لوگ جاتے ہیں جب وہ ہم سے کوئی فرمائش پوچھیں کہ آپ کے لیے کیا لانا ہے تو ہم آبِ زم زم اور اِثمد سرمے کی فرمائش کریں۔

کچھ لوگ وہاں سے اپنے لیے وہ سامان لاتے ہیں جو پاکستان میں مل جاتا ہے، جیسے کمبل، کپڑے وغیرہ وغیرہ۔ عموماً اس قسم کی خریداری سے سوائے سامان میں اضافے کے اور کچھ فائدہ نہیں ہوتا اور پھر بازاروں میں خریداری پر کافی وقت بھی خرچ ہو جاتا ہے، حالاں کہ ہم لوگ تو وہاں عبادت کے لیے جاتے ہیں۔

عزیز ساتھیو! آج سے ہم نیت کریں کہ روانہ سوتے ہوئے اثمد سرمہ لگا کر سوئیں گے کہ یہ لگانا سنت بھی ہے اور ہماری آنکھوں کی روشنی کے لیے حفاظت کا ذریعہ بھی۔

علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

ماہ نامہ

ذوق و شوق

کراچی

زیر سرپرستی:

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم

ربیع الثانی، جمادی الاول ۱۴۴۳ ہجری | جلد: 16

شمارہ: ۵

ناشر ～～～ محمد عارف رشید

مجلس ادارت

■ مدیر ～～～ عبدالعزیز

■ معاون ～～～ محمد طلحہ شاہین

سرورق السٹریٹر ～～～ سید ناصر

آرٹسٹ ～～～ قیصر شریف

کمپوزر ～～～ سعد علی

نگران ترسیل ～～～ منور عمر

اس رسالے کی تمام آمدنی تعلیم و تبلیغ اور اصلاح امت کے لیے وقف ہے۔

قیمت 80

سالانہ خریداری بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک =/1000

بذریعہ عام ڈاک =/750

ماہ نامہ ذوق و شوق میں اشتہار شائع کرنے کا مطلب تصدیق ہے نہ سفارش۔ یہ صرف عوام کو مطلع کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ مصنوعات کے بارے میں قارئین خود تحقیق فرمالیں۔

خط و کتابت کا پتہ:

ماہ نامہ ذوق و شوق پی۔ او۔ بکس 17984 پوسٹ کوڈ 75300 گلشن اقبال، کراچی

Email: zouqshouq@hotmail.com

zouq shouq/ذوق شوق

اشتہارات اور سالانہ خریداری کے لیے رابطہ کریں

: 0324-2028753 , 0320-1292426

دفتری اوقات: صبح 8:00 تا 1:00
دوپہر 2:30 تا 6:00

سالانہ خریداری بذریعہ میزان بینک اکاؤنٹ:

اکاؤنٹ ٹائٹل: Bait ul ilm trust zouq o shouq

اکاؤنٹ نمبر: 0179-0103431456، سولجر بازار برانچ، کراچی

(نوٹ: بینک اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کی رسید اس نمبر (0324-2028753) پر واٹس ایپ کردیں۔)

عنوان	مصنف	صفحہ
سیرت کہانی	عبدالعزیز	04
بلاعنوان (۱۷۲)	قرۃ العین خرم ہاشمی	06
رولر کوسٹر	محمد فرحان اشرف	08
ہمیں پڑھنا ہے	مریم شہزاد	09
خزانے کا نقشہ	مترجم: سماح حسن حامد	11
انوکھے انسان	محمد دانیال حسن چغتائی	16
آزادی کا سورج ۵	ڈاکٹر صفیہ سلطانہ صدیقی	18
سوال آدھا، جواب آدھا ۱۷ (کھیل)	الطاف حسین	22
ماسی ملوکی	بینا رانی	23
جھوٹوں کے جھوٹے ۲۳	حافظ محمد دانش عارفین حیرت	24
سردی (نظم)	ش۔م۔دانش	27
انگوٹھی کہاں گئی؟	انعم توصیف	28
عزم	ام نسیبہ	32
دیواریں چھوٹی ہیں (تاریخی جھلکیاں)	محمد حذیفہ رفیق	33
انس کا گبلو	تنزیلہ احمد	35
مومن شجر	حمیرا علیم	37
فاتح کون ۵	نذیر انبالوی	38
مقابلہ خوش خطی ۱۲ (کھیل)	اشتراک: البدر اسکول	41
کی چین	تماضر ساجد	42
کیا یہ چوری نہیں!؟	شاہد اقبال	43
آیئے، جہلم چلتے ہیں	الطاف حسین	50

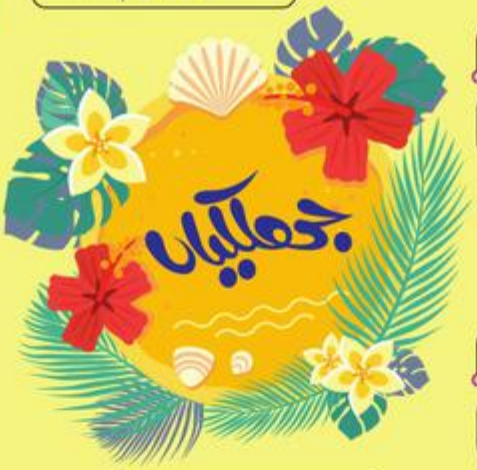

پبلشر محمد عارف رشید نے بچوں کی علمی و تربیتی ترقی و اصلاح کی خاطر ابن حسن پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔

PARADISE BOOKS DISTRIBUTORS

Karachi: J-73, UNIT-1, GROUND FLOOR, OFF ALLAMA IQBAL ROAD, PECHS BLOCK-2, KARACHI. 021-34314981
LAHORE: SIDDIQUE MANAZIL, 2ND FLOOR, 40-ABBOT ROAD, STREET NEON PRINCE , LAHORE. 051-48430042
RAWALPINDI: OFFICE NO 2, FIRST FLOOR, STAR PLAZA, PARADISE HOUSE, RAWALPINDI. 042-3629701

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے۔

موسم تبدیل ہو رہا ہے۔ ہر موسم کی اپنی ایک شان ہے، خصوصیات اور فائدے ہیں۔

گرمی ہی کو لے لیجیے۔ اس میں دن بڑے اور راتیں چھوٹی ہوتی ہیں۔ دھوپ سے ہمارے جسموں کو وٹامن۔ ڈی حاصل ہوتا ہے جو بہت مفید چیز ہے۔ فصلیں پکتی ہیں، ٹھنڈی ٹھنڈی چیزیں دست یاب ہوتی ہیں۔ آم، تربوز، خربوزہ، خوبانی، آڑو، فالسے، لیچی، اسٹرابیری، جامن وغیرہ جیسے مزے مزے کے پھل کھانے کو ملتے ہیں۔ گرمی میں بارشیں بھی زیادہ ہوتی ہیں۔

گرمی پوری طرح گئی نہیں ہوتی اور سردی پوری طرح آئی نہیں ہوتی کہ خزاں کا موسم آجاتا ہے جسے ''پت جھڑ'' بھی کہا جاتا ہے، کیوں کہ اس میں درختوں کے پتے جو جھڑ جاتے ہیں۔ خزاں کے موسم میں بھی کئی طرح کی سبزیاں، مثلاً: شکر قندی، کریلا، کدو، شلجم اور ادرک وغیرہ ہماری خدمت کے لیے آموجود ہوتی ہیں اور مختلف پھل، مثلاً: سیب، ناشپاتی اور انگور وغیرہ کھانے کو ملتے ہیں۔

اسی طرح سردی پوری طرح گزری نہیں ہوتی اور گرمی پوری طرح آئی نہیں ہوتی کہ بہار کا موسم آجاتا ہے۔ بہار کے موسم میں نہ سردی کی شدت ہوتی ہے اور نہ گرمی کی حدت، بل کہ معتدل موسم ہوتا ہے۔ بہار کا موسم بہت خوش گوار ہوتا ہے۔ ہر طرف ہریالی ہی ہریالی ہو جاتی ہے۔ رنگ برنگے پھول دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ایسے میں لوگ باغوں یا پارکوں میں گھومنے بھی جاتے ہیں۔

اب سردی کو لے لیجیے۔ اس کی بھی اپنی شان ہے، بہت سی خصوصیات اور فائدے ہیں۔ سردی میں دن چھوٹے اور راتیں بڑی ہو جاتی ہیں۔ خوب بھوک لگتی ہے اور خوب ہی کھایا جاتا ہے۔ مونگ پھلی، تل کے لڈو اور گزگ کھائی جاتی ہے۔ اُبلے ہوئے انڈوں اور سوپ سے لطف اندوز ہوا جاتا ہے۔ ہر طرح کے خشک میوہ جات وافر مقدار میں موجود ہوتے ہیں، جن کے مزے اُڑائے جاسکتے ہیں۔ پھلوں میں کینو، امرود، کیلا، پپیتا، ناریل اور بیر وغیرہ کھانے کو ملتے ہیں۔

موسم کی ان تبدیلیوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کارفرما ہے، لہٰذا ان موسموں میں ملنے والی ان نعمتوں کے استعمال کے وقت اللہ تعالیٰ کا شکر اَدا کرنا چاہیے، اعتدال کے ساتھ ان نعمتوں سے فائدہ اٹھانا چاہیے، موسم کے بدلتے وقت ابوامی کا کہنا مانتے ہوئے ان کی بتائی ہوئی احتیاطوں پر عمل کرنا چاہیے اور ہر موسم میں ان نعمتوں کے عملی شکر کے طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی چاہیے۔ اور سردی میں تو راتیں لمبی ہونے کی وجہ سے تسبیح، تلاوت، تہجد اور دعا کا اچھا موقع مل جاتا ہے، اس کے لیے گرم بستر چھوڑنے، ٹھنڈ لگنے کے باوجود وضو کرنے میں جو مشقت ہوتی ہے اس پر ثواب الگ ملتا ہے۔

اسے کہتے ہیں ''پانچوں انگلیاں گھی میں۔'' اب یہ مت پوچھیے گا کہ اس کا کیا مطلب!؟ یہ سمجھنا آپ کا اپنا کام ہے، کیوں کہ پانچوں انگلیاں بھی تو آپ ہی کی گھی میں ہیں!!!

عبدالعزیز

مدینہ منورہ میں اکثر وبیش تر آبادی یہودی قبیلوں کی تھی۔ ان کی کافی تعداد یہاں آباد تھی۔ اسی طرح خیبر کے علاقے میں ان کے تعلیمی مرکز اور بہت سے قلعے بھی تھے۔ یہ لوگ اہل کتاب تھے، اس لحاظ سے سرزمین حجاز میں مشرکین کے مقابلے میں یہ یہودی پڑھے لکھے تھے۔

ان لوگوں کو آسمانی کتابوں کے ذریعے سے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کے حالات اور اُن کی خوبیوں کا بہت کچھ علم تھا، لیکن حسد اُن کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا، اسی لیے حضور ﷺ جب تک مکہ مکرمہ میں رہے، اس وقت بھی یہ یہودی، مشرکین مکہ کو نبی کریم ﷺ کے مقابلے میں اُکساتے رہے اور اُنھیں یہ کہتے رہے کہ آپ ﷺ سے اصحاب کہف، ذوالقرنین اور روح کے بارے میں سوال کرو اور جب آپ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو اِن کی حسد کی آگ اور بھڑک گئی اور یہ لوگ سمجھ گئے کہ اب ہماری علمی برتری ختم ہوجائے گی، لہٰذا یہودیوں کی اکثریت نے اسلام اور آپ ﷺ سے دشمنی میں اپنے ان باپ دادوں کی پیروی کی، جنھوں نے انبیائے کرام علیہم السلام کو نعوذ باللہ! قتل تک کیا تھا۔

لیکن ان میں سے جو اہل علم تھے اور صحیح فطرت کے مالک تھے وہ آپ ﷺ کے بارے میں آسمانی کتابوں میں موجود پیش گوئیوں کے سچا ثابت ہونے کے بعد آپ ﷺ پر ایمان لے آئے۔

دشمنی رکھنے والے یہودیوں کے فتنے سے بچنے کے لیے آپ ﷺ نے ہجرت کے پانچ ماہ بعد اُن سے تحریری معاہدہ کیا، جس میں انھیں اپنے دین، مال اور جائیداد پر برقرار رکھا گیا۔ اس معاہدے کا خلاصہ درج ذیل ہے:

محمد نبی امی (ﷺ) کی طرف سے قریش اور مدینے کے مسلمانوں اور اُن یہودیوں کے درمیان یہ ایک تحریری معاہدہ ہے جو مسلمانوں کے تابع ہوں اور مسلمانوں کے ساتھ الحاق چاہتے ہوں۔ ہر فریق اپنے اپنے مذہب پر قائم رہ کر اِن باتوں کا پابند ہوگا:

۱۔ فریقین کے بدلے دینے کے جو طریقے پرانے زمانے سے چلے آرہے ہیں وہ انصاف کے ساتھ اب بھی قائم رہیں گے۔

۲۔ ہر فریق کو اِنصاف کے ساتھ اپنے قبیلے کا فدیہ خود دینا ہوگا، یعنی جس قبیلے کا جو قیدی ہوگا اسے رہا کرانے کے لیے فدیے کے پیسے اسی قبیلے کے ذمے ہوں گے۔

۳۔ ظلم اور فساد کے مقابلے میں دونوں فریق متفق رہیں گے اور اِس بارے میں کسی کی بھی رعایت نہ کی جائے گی، چاہے وہ کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مبارک زندگی اور سیرت کے اہم واقعات پر مبنی ایک پیارا سلسلہ۔

۴۔ کسی مسلمان کو کسی کافر کے بدلے میں قتل کرنے کی اجازت نہ ہوگی اور نہ ہی کسی مسلمان کے بدلے میں کسی کافر کی مدد کی اجازت ہوگی۔

۵۔ ایک ادنیٰ مسلمان کو بھی کسی شخص کو پناہ دینے کا ویسا ہی حق حاصل ہوگا جیسا کہ ایک بڑے رتبے والے مسلمان کو ہوگا۔

۶۔ جو یہودی مسلمانوں کے تابع ہوکر رہیں گے ان کی حفاظت مسلمانوں کے ذمے ہوگی، ان پر نہ کسی قسم کا ظلم ہوگا اور نہ ان کے مقابلے میں ان کے دشمن کی مدد کی جائے گی۔

۷۔ کسی کافر اور مشرک کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ مسلمانوں کے مقابلے میں قریش کے کسی فرد کو پناہ دے سکے یا قریش اور مسلمانوں کے درمیان حائل ہوسکے۔

۸۔ جنگ ہونے کی صورت میں یہودیوں کو جان اور مال کے ساتھ

مسلمانوں کا ساتھ دینا ہوگا۔ مسلمانوں کے دشمنوں کی مدد کی اجازت نہ ہوگی۔

۹۔ آپ ﷺ کا کوئی دشمن اگر مدینے پر حملہ کرے تو یہودیوں پر آپ ﷺ کی مدد کرنا لازم ہوگی۔

۱۰۔ جو قبیلے اس معاہدے میں شریک ہیں اگر اُن میں سے کوئی قبیلہ اس معاہدے سے الگ ہونا چاہے گا تو آپ ﷺ کی اجازت کے بغیر اُسے الگ ہونے کا اختیار نہ ہوگا۔

۱۱۔ کسی فتنہ پھیلانے والے شخص کی مدد یا اسے ٹھکانا دینے کی اجازت نہ ہوگی۔

۱۲۔ مسلمان اگر کسی سے صلح کرنا چاہیں گے تو یہودی بھی اس صلح میں شریک ہوں گے۔

۱۳۔ جو شخص کسی مسلمان کو قتل کرے اور گواہ بھی موجود ہوں تو اُس سے بدلہ لیا جائے گا، ہاں یہ الگ بات ہے کہ اس شہید کے وارث پیسے وغیرہ لے کر معاف کرنے پر راضی ہو جائیں۔

۱۴۔ آپس میں جب کبھی کوئی جھگڑا ہو یا اختلاف پیش آئے تو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۳، ص:۲۲۴)

اس معاہدے میں یہودیوں کے تین بڑے قبیلے شامل تھے جو مدینے اور اُس کے اطراف میں رہتے تھے۔ ایک بنی قینقاع، دوسرا بنی نظیر اور تیسرا بنی قریظہ۔

یہ قبیلے چوں کہ آپ ﷺ کی بات ماننے سے رکے رہے، اس لیے آپ ﷺ نے ان سے یہ معاہدہ لکھوایا تھا، تاکہ فتنہ اور فساد نہ پھیلا سکیں، مگر تینوں قبیلوں نے باری باری اس معاہدے کی خلاف ورزی کی، اسلام سے دشمنی اور اُس کے خلاف سازشوں میں پورا حصہ لیا اور پھر اپنے کیے کو بھگتا، جیسا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ! آپ آئندہ پڑھ لیں گے۔

مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد اور بھی بہت سے واقعات پیش آئے، جن کا ذیل میں مختصر ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا۔ یہ وہ صحابی ہیں جن کا گھر قبا میں تھا اور آپ ﷺ نے وہاں انھی کے گھر میں قیام فرمایا تھا۔

۲۔ انصار کے قبیلے بنی نجار سے تعلق رکھنے والے صحابی حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کا بھی انتقال ہوگیا۔

۳۔ مکہ مکرمہ کے مشرکین کے دو سرداروں ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل کا بھی انتقال ہوگیا۔ (عاص بن وائل مصر کو فتح کرنے والے مشہور صحابی رضی اللہ عنہ کا والد تھا)

۴۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی، جن سے آپ ﷺ کا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد مکہ مکرمہ ہی میں ہوگیا تھا۔

۵۔ جب مسلمان مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو یہاں کے تمام کنوؤں کا پانی کھارا تھا۔ ایک کنواں جس کا نام ''بئر رومہ'' تھا، صرف اس کا پانی میٹھا تھا، لیکن اس کا مالک ایک یہودی تھا جو اُس کنویں سے پانی لینے کے پیسے لیتا تھا۔ غریب مسلمانوں کو اِس وجہ سے خاصی مشکل پیش آ رہی تھی، چناں چہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بئر رومہ کو خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف فرمایا کہ جس کا جی چاہے اس سے پانی بھرے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اس نیک کام کے بدلے میں جنت کا چشمہ کے ملنے کی خوش خبری دی۔

(تاریخ طبری، ج:۶، ص:۳۷۲)

۶۔ ایک بھیڑیے نے بکریوں کے کسی ریوڑ میں سے ایک بکری پر حملہ کیا۔ ریوڑ کے چرواہے نے بکری کو بھیڑیے سے چھڑوا لیا۔ بھیڑیے نے انسانوں کی طرح اس چرواہے سے کہا:

''تم نے میرا رزق مجھ سے چھین لیا جو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے بھیجا تھا۔''

چرواہے نے حیران ہوتے ہوئے کہا:

''تعجب کی بات ہے کہ ایک بھیڑیا انسانوں کی طرح بات کر رہا ہے!''

بھیڑیے نے جواب دیا:

بقیہ صفحہ نمبر 44 پر

شہریار دس سال کا بہت ذہین اور تیز بچہ تھا۔ اس کا ذہن ہر وقت شرارتوں میں مگن رہتا۔ اس میں گویا پارہ بھرا ہوا تھا کہ وہ کسی کے قابو میں نہیں آتا تھا۔ اس کی فطرت میں بہت زیادہ تجسس اور بے چینی تھی۔ اس کی شرارتوں اور حرکتوں سے کبھی کبھار گھر والے تنگ ہو جاتے تھے۔ اسے سوال کرنے کی بھی بہت عادت تھی، جس سے بسا اوقات سب پریشان ہو جاتے تھے۔

اس مرتبہ بھی شہریار گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے اپنے دادا کے پاس گاؤں گیا۔ دادا جان کی بڑی سی حویلی میں شہریار کو شرارت کرنے کے بہت سے مواقع مل جاتے تھے۔ گھنے درختوں کے درمیان بنی حویلی بہت پیاری تھی۔ شہریار کو اپنے دادا کا گاؤں بہت پسند تھا۔ لہراتے ہوئے کھیت، ٹیوب ویل شہریار کی توجہ زیادہ کھینچتے تھے۔

اس مرتبہ شہریار گاؤں آیا تو اُس کے سب کزن بہت خوش ہوئے۔ وہ سب سارا سارا دن کھیلتے، گاؤں کی پگ ڈنڈیوں پر بھاگتے، ہنستے، بے فکری سے اپنی زندگی کے دن گزارتے۔ ایک دن شام کے وقت سب گھر والے دادا جان کی بیٹھک میں جمع تھے۔ خوش گپیاں ہو رہی تھیں کہ شہریار م دوسرے بچوں کے ساتھ بھاگتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

''دیکھیں دادا جان! میں نے کیا بنایا!؟''

شہریار نے ہاتھ میں پکڑا کاغذ کا پنکھا آگے کیا، جس کی پنکھڑیاں ہوا کے زور سے خود ہی گھوم رہی تھیں۔

''دادا جان! شہریار نے میری کاپی میں سے کاغذ پھاڑے ہیں۔'' اس کے کزن عدیل نے شکایت لگائی۔

''شہریار! یہ کیا حرکت ہے؟ کاغذ کیوں ضائع کیا؟'' شہریار کی امی نے سب کے سامنے اسے ڈانٹا۔ شہریار کا چہرہ بجھ گیا۔

''عدیل! میں کل آپ کو نئی کاپی لا دوں گا، مگر آپ سب یہ تو دیکھیں کہ شہریار نے اپنی عقل سے کاغذ کا کتنا بہترین پنکھا بنایا ہے۔'' دادا جان نے شہریار کو شاباش دی تو سب ہنسنے لگے۔

''اس میں ایسا کیا ہے۔ ہمارے بچے تو کاغذ کے جہاز بھی بنا لیتے ہیں۔'' شہریار کے ایک چچا نے ہنستے ہوئے کہا۔ سب مسکرانے لگے۔

''ابھی آپ کی سمجھ میں نہیں آ رہا، مگر وقت ثابت کر دے گا۔'' دادا جان نے نرمی سے کہا۔

ایک دن دادا جان مسجد سے واپس آ رہے تھے کہ دادا جان نے شہریار کو کچی مٹی کے ساتھ مگن دیکھا۔ دادا جان جب ایک گھنٹے پہلے نماز کے لیے گئے تھے تب بھی شہریار یہیں بیٹھا کچھ کر رہا تھا اور ابھی بھی یہیں موجود تھا۔

''شہریار بیٹا! کیا کر رہے ہو؟'' دادا جان نے پاس آ کر پیار سے پوچھا۔

''دادا جان! میں نے یہاں گلاب کا پودا لگایا ہے۔'' شہریار نے مسکراتے ہوئے ایک ہرے رنگ کی چھوٹی سی کونپل دکھائی۔

''شاباش بیٹا!'' دادا جان مسکرائے۔

''اسے روز پانی دینے کا مسئلہ تھا۔ کچھ دنوں میں جب میں واپس چلا جاؤں گا تو اِسے خود بخود پانی مل جایا کرے گا۔'' شہریار نے خوشی سے کہا۔

''ہائیں! وہ کیسے؟'' دادا جان نے حیرت سے سوال۔

''ابھی بتاتا ہوں۔'' شہریار نے اپنے مٹی سے بھرے ہاتھ جھاڑے اور تیزی سے کچھ دور صحن میں لگے نل کے پاس گیا، جس کے اردگرد سیمنٹ سے دائرہ بنا ہوا تھا اور ایک طرف چھوٹی سی نالی بنی ہوئی تھی۔ یہاں سے ہی پانی بھر کے حویلی کے ملازم سارے کام کرتے تھے۔

''یہ دیکھیں!'' شہریار نے نل کھولا تو پانی تیزی سے نالی کی طرف بہنے لگا۔ دادا جان غور سے دیکھ رہے تھے۔ جو پانی پہلے نالی میں سے نکل کر زمین پر بہہ کر ضائع ہو جاتا تھا وہ پانی اب مٹی کی بنی ہوئی نالی کے درمیان بہتا ہوا گلاب کے پودے تک جا رہا تھا، یعنی شہریار نے اپنی سوچ اور عقل مندی سے مٹی کی ایسی نالی بنا دی تھی جو کچھ دور لگے پودے تک پانی پہنچا رہی تھی۔ بظاہر یہ

بہترین عنوان تجویز کرنے پر 250، دوسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 150، تیسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 100 روپے انعام دیا جائے گا۔ ''بلاعنوان'' کے کوپن پر عنوان تحریر کر کے ارسال کریں۔

عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ دسمبر 2021 ہے۔

نوٹ: کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابل قبول نہ ہوگا۔

بہت عام سی بات تھی، مگر ایک دس سال کے بچے سے ایسی سمجھ داری کی امید رکھنا بہت حیران کن تھا۔

''تم نے یہ کیسے کیا؟'' دادا جان نے حیرت سے پوچھا۔

''دادا جان! بس میرے ذہن میں خیال آیا۔ میں ہر روز اِس نل سے پانی کو بہتا ہوا دیکھتا تھا اور ہماری استانی نے بتایا تھا کہ پانی کا ایک قطرہ بھی ضائع نہیں ہونا چاہیے، اسی لیے مجھے یہ خیال آ گیا۔'' شہریار نے فخر سے کہا۔

اگلی صبح فجر کی نماز کے بعد شہریار، دادا جان کے ساتھ سیر پر نکل گیا۔ دادا جان اسے ہر طرف پھیلی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں دکھا رہے تھے۔ صبح کے سورج کی پہلی کرن سے لے کر سورج نکلنے تک، آسمان پر اُڑتے پرندے، ٹھنڈی ہوا، پرندوں کی بولیاں، غرض ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کر رہی تھی۔

''شہریار بیٹا! یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسا تخلیق کار ہے جس کی ہر تخلیق نقص سے پاک ہے۔'' دادا جان نے ٹیوب ویل کے بہتے پانی کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

شہریار بہتے پانی میں ہاتھ ڈال کر خوش ہو رہا تھا۔

''دادا جان! آپ مجھے آج یہ سب دکھانے کیوں لائے ہیں؟''

شہریار کے سوال پر دادا جان ہنس پڑے۔

''ذہین بچے! اس لیے کہ میں نہیں چاہتا کہ تمھاری یہ صلاحیت، تمھاری یہ غور کرنے کی عادت، تمھارا تجسس کسی غلط سمت کی طرف جائے۔

شہریار بیٹا! اگر آپ ابھی سے اللہ تعالیٰ کی بنائی چیزوں پر غور و فکر کرو گے تو ایک دن ضرور کام یاب ہو گے اور اِنسانیت کی فلاح کے لیے کام کر سکو گے۔''

دادا جان نے نرمی سے کہا۔

''مگر سب میرا مذاق اڑاتے ہیں۔ مجھے غلط کہتے ہیں۔'' شہریار نے اداس لہجے میں کہا۔

''اس لیے کہ وہ سب نہیں جانتے کہ تم بہت ذہین ہو۔ تمھاری قابلیت کو وقت ثابت کرے گا۔ بس تم محنت اور لگن سے اپنی تعلیم حاصل کرنا۔''

دادا جان نے شہریار سے وعدہ لیا۔ شہریار گاؤں سے واپس تو آ گیا، مگر اُس کے ذہن میں دادا جان کی باتیں بیٹھ گئیں۔ وہ جیسے جیسے بڑا ہوتا گیا فطرت پر غور و فکر کرنے کی اس کی عادت پختہ ہوتی گئی۔ اسی عادت نے اسے ایک دن ایک کام یاب سائنس دان بنا دیا۔ وہ کائنات کے رازوں کو تسخیر کرتا ہوا اِنسانی فلاح کے لیے کام کر رہا تھا۔ اب شہریار پورے خاندان کا فخر تھا۔ لوگ اس کی مثال دیتے تھے۔ یہ وقت دیکھنے سے کئی سال پہلے دادا جان وفات پا چکے تھے، مگر شہریار نے ان سے کیے گئے وعدے کو ہمیشہ نبھایا۔ آج شہریار جو کچھ بھی تھا دادا جان کی وجہ سے تھا۔

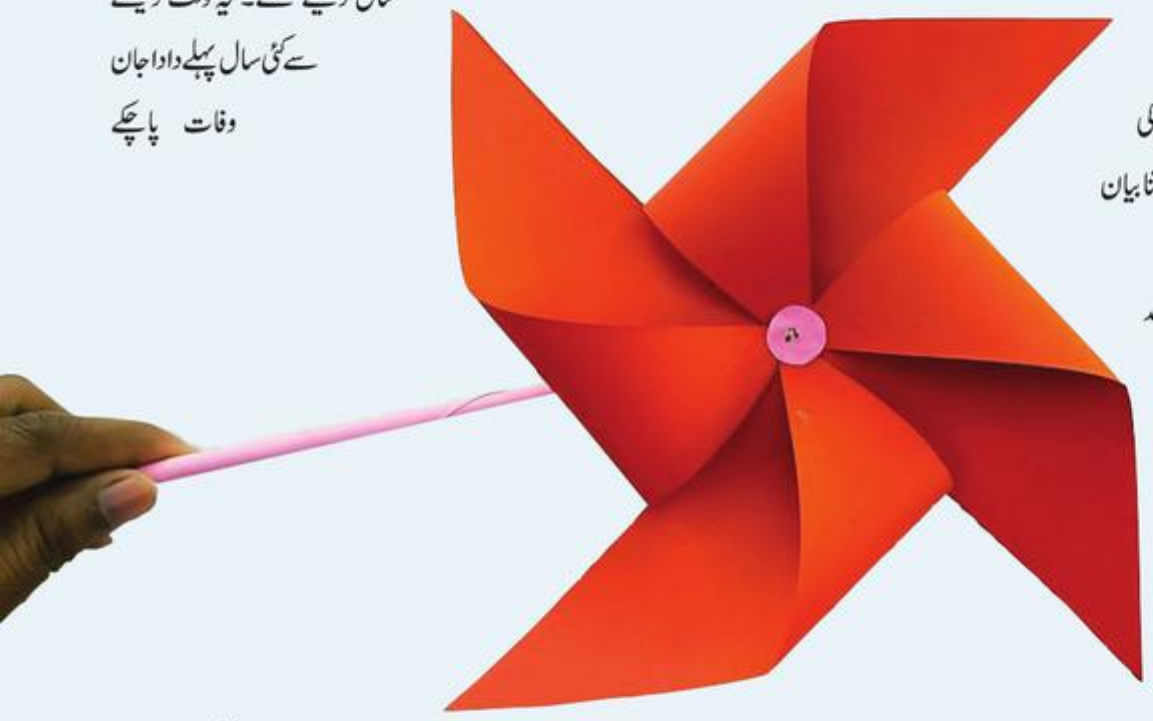

دادا جان کے بتائے راستے پر چل کر شہریار نے ترقی کی جتنی بھی منزلیں طے کر لیں، مگر وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کائنات کا تخلیق کار سب سے بڑا اور اعلیٰ ہے۔ اس تخلیق کار کی تخلیق کو سمجھنے کے لیے، اس کی تخلیق سے محبت کرنا بہت ضروری ہے۔

یہ راستہ انسانیت کا راستہ کہلاتا ہے، جس پر شہریار چل رہا تھا۔ یہ راستہ اسے اس کے دادا جان نے دکھایا تھا۔

رولر کوسٹر

محمد فرحان اشرف۔ ہارون آباد

رولر کوسٹر ایک جھولا ہے، جو دنیا کے تقریباً ہر ملک میں بچوں اور بڑوں کی تفریح کے لیے بڑے بڑے پارکوں میں لگایا جاتا ہے۔ یہ تیزی سے اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر دائرے میں چلتا ہے۔ رولر کوسٹر میں انجن نہیں ہوتا، یہ کشش ثقل سے چلتا اور رُکتا ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے رولر کوسٹر امریکا، چین اور فرانس میں ہیں۔

تاریخ:

تین سو سال پہلے روس کے دارالحکومت سینٹ پیٹرز برگ میں لکڑی کے تختوں سے بلند و بالا ہم وار ڈھلواں بنائی گئی۔ ان تختوں کو چوبی شہتیروں کے ذریعے سہارا دے کر اُن پر برف ڈال دی گئی۔ بچے اور بڑے اس ڈھلان پر بیٹھ کر پھسلتے ہوئے نیچے آتے۔ ڈھلان پر پہیے والی گاڑی بھی چلائی جاتی تھی، جس پر بچے اور بڑے بیٹھا کرتے تھے۔ یہ رولر کوسٹر کی ابتدائی قسم تھی، جو روسی پہاڑ یا سلائیڈنگ پہاڑ کہلاتی تھی۔

پہلی رولر کوسٹر:

فرانس کے بینک کارنکولس بیوجون نے 1817ء میں ایک تفریحی پارک تیار کروایا۔ اس نے پارک میں روسی پہاڑ سے ملتی جلتی دنیا کی پہلی رولر کوسٹر نصب کروائی۔ اس رولر کوسٹر کو بنانے کے لیے ہوا میں معلق لکڑی کی پٹڑی بنائی گئی۔ اس پٹڑی پر رولر کوسٹر دائیں بائیں مڑے بغیر دوڑتی تھی۔ بچے اور بڑے اس انوکھی گاڑی میں بہت شوق سے بیٹھا کرتے تھے۔

جدید رولر کوسٹر:

کچھ عرصے بعد برطانیہ، امریکا اور دیگر یورپی ممالک میں بھی تفریحی مقامات پر رولر کوسٹر نظر آنے لگیں۔ ماہرین اسے بہتر سے بہتر بنانے کے لیے تحقیق اور تجربات کرتے رہے۔ بیسویں صدی میں اسٹیل سے اس کا راستہ بنایا جانے لگا۔ 1959ء میں امریکا کے مشہور سیاحتی مقام ڈزنی لینڈ میں پہلی مرتبہ رولر کوسٹر کے لیے لچک دار فولاد کا نلکی دار راستہ بنایا گیا۔ اس راستے پر چلتے ہوئے رولر کوسٹر آسانی سے اوپر نیچے اور دائیں بائیں جاسکتی تھی۔

کام کا طریقہ:

رولر کوسٹر کو زنجیروں یا فولادی تاروں کی مدد سے جھولے کے بلند ترین مقام پر پہنچایا جاتا ہے۔ زنجیریں یا تار، برقی موٹر سے حرکت کر کے اسے بلند کرتے ہیں۔ بلند ترین مقام پر پہنچنے کے بعد زنجیریں اور تار اُس سے الگ کر دیے جاتے ہیں۔ کشش ثقل کی قوت اسے نیچے کی طرف کھینچتی ہے۔ تب رولر کوسٹر ۹.۸ میٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے فاصلہ طے کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رولر کوسٹر کو چلتے وقت انجن کی ضرورت نہیں ہوتی۔

مشہور اَقسام:

رولر کوسٹر کی دو بنیادی قسمیں ہیں۔ پہلی قسم کی رولر کوسٹر ایسی پٹڑی پر چلتی ہے جسے لکڑی کے شہتیروں کی مدد سے ہوا میں معلق کیا جاتا ہے۔ دوسری قسم میں پٹڑی کو اسٹیل سے بنے شہتیروں سے سہارا دیا جاتا ہے۔

دنیا کی تیز ترین اسٹیل رولر کوسٹر متحدہ عرب امارات کے شہر ابوظہبی میں ہے۔

بقیہ: صفحہ نمبر 49 پر

ہمیں پڑھنا ہے

مریم شہزاد۔ کراچی

’’اللہ میاں جی! پلیز، اسکول نہ کھلیں۔ پیارے اللہ جی! پلیز، پلیز، اسکول بند ہی رہیں......‘‘

کامران نماز پڑھ کر آنکھیں بند کیے مسلسل ایک ہی دعا مانگے جا رہا تھا اور دونوں بھائی بہن اس کے پیچھے زور زور سے ’’آمین!‘‘ کہہ رہے تھے کہ ابو نے اس کی آواز سن لی، وہ بہت پریشان ہوئے اور کچھ سوچتے ہوئے اپنے کمرے میں چلے گئے۔

شام کو اُنھوں نے سب بچوں کو بلایا اور کہا:

’’آج میں آپ سب کو ایک کہانی سناتا ہوں۔‘‘

’’کہانی! واو، زبردست!‘‘ کامران نے کہا۔

’’یہ تو بہت ہی مزے کی بات ہے۔‘‘ صائم نے بھی کہا۔

’’یہ بالکل سچی کہانی ہے، بل کہ سمجھو، میری ہی کہانی ہے۔‘‘ ’’ابو نے کہا۔

’’ارے واہ! یہ تو اور بھی اچھی بات ہے، جلدی سے سنائیں۔‘‘ ایشا نے بھی دل چسپی دکھائی۔

’’چلو سنو، یہ اس وقت کی بات ہے جب میں نہم جماعت میں پڑھتا تھا اور میرے ابو کی بہت بڑی فیکٹری تھی، جہاں بہت سے لوگ کام کرتے تھے۔ کوئی منیجر ایم۔ اے۔ تھا تو کوئی ڈپٹی منیجر ایم۔ کام، کوئی سپر وائزر انٹر پاس تھا تو اکاؤنٹنٹ ماسٹرز تھا، جب کہ ابو نے صرف میٹرک کیا ہوا تھا، مگر اِتنے زیادہ پڑھے لکھے لوگ ان کے ماتحت تھے۔

میں چوں کہ سب بہن بھائیوں میں سب سے بڑا تھا، اس لیے اکثر چھٹی کے دن میں ابو کے ساتھ فیکٹری چلا جاتا تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ ابو نے بھی بہت سارا پڑھا ہوا ہے، جبھی اِتنی بڑی فیکٹری کو اور اُس میں کام کرنے والوں کو آرام سے سنبھال لیتے ہیں، مگر ایک دن ایسا ہوا کہ ابو اپنے آفس میں کسی ضروری کام میں مصروف تھے اور میں بار بار اُنھیں تنگ کر رہا تھا تو اُنھوں نے مجھے ایک دوسرے کمرے میں بٹھا دیا۔ وہاں جو شخص بیٹھا تھا وہ کافی پڑھا لکھا تھا، مگر اُس کی ایک بات اچھی نہیں تھی، وہ سمجھتا تھا کہ پڑھنے کا کوئی فائدہ ہی نہیں۔ اس نے میرے دل میں بھی یہ بات ڈال دی کہ ’’دیکھو، تم بھی زیادہ نہیں پڑھنا، ورنہ ہماری طرح نوکری کرنی پڑے گی۔ اپنے ابو کو دیکھو، صرف میٹرک کیا ہے اور کتنا بڑا کاروبار کر رہے ہیں۔‘‘

اور پھر اَکثر ہی وہ میرے دماغ میں اسی طرح کی باتیں بھرنے لگا۔ میرا دل بھی پڑھائی سے اچاٹ ہو گیا اور میں نے میٹرک کے بعد ہی پڑھنے سے انکار کر دیا۔

ابو بہت پریشان ہوئے، انھوں نے بہت کوشش کی، مگر میں نہ مانا۔ میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ مجھے کوئی نوکری تھوڑی کرنی ہے، مجھے تو ابو کا کاروبار ہی سنبھالنا ہے، اس لیے مجھے پڑھنے کی ضرورت ہی نہیں، مگر مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ میں غلط ہوں۔ آخر اَبو نے ہار مان کر مجھے اپنے ساتھ روزانہ

فیکٹری لے جانا شروع کر دیا اور کہا کہ بس، اب تم کاروبار سیکھو۔

مجھے بہت مزہ آیا کہ سب پر حکم چلا رہا ہوں اور کبھی آرام سے آفس میں بیٹھا ہوں۔ یوں چار مہینے گزر گئے۔

ایک دن میں نے دیکھا کہ ابو بہت پریشان ہیں وہ بار بار ایک کاغذ کو دیکھتے، پھر رکھ دیتے، پھر کسی سے فون پر بات کرتے، پھر اُس کاغذ کو دیکھتے، مگر پھر پریشان ہو کر رکھ دیتے۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا معاملہ ہے۔ آخر میں نے ابو سے پوچھا تو اُنھوں نے کچھ دیر سوچا اور پھر مجھے بتایا کہ ان کے کسی دشمن نے انھیں یہ خط بھیجا ہے کہ وہ اس فیکٹری پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔

''لیکن ابو! یہ فیکٹری تو آپ کی ہے۔'' میں نے ابو سے کہا تو ابو نے جواب دیا:

''ہاں، یہ میں نے ہی اپنی محنت سے لگائی ہے، مگر اِس کاغذ پر لکھا ہے کہ یہ اس کی ہے۔ اب میری سمجھ نہیں آ رہا کہ میں کس سے مشورہ کروں۔ کیوں کہ میں زیادہ پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس لیے کوئی بھی میرے ساتھ چال بازی کر سکتا ہے۔''

''تو ابو! یہ جو آپ کے پاس اتنے سارے پڑھے لکھے لوگ کام کرنے والے ہیں، اپ ان سے مشورہ کیوں نہیں کرتے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں، میں سوچ رہا ہوں کہ ماجد سے مشورہ کروں۔'' ابو نے سوچتے ہوئے کہا تو میں بولا:

''جی ابو! ماجد انکل بہت اچھے ہیں۔ انھوں نے ہی تو مجھے سمجھایا ہے کہ پڑھ لکھ کر صرف نوکری کرنی ہوتی ہے، جب کہ کم پڑھے لکھے ہوں تو آرام سے اپنا حکم چلا کر آپ کی طرح کاروبار کر سکتے ہیں۔''

ابو میری بات سن کر چونک اٹھے۔

''تو تم نے اس لیے پڑھائی چھوڑ دی ہے؟'' انھوں نے حیرت سے پوچھا۔

''جی ابو! مجھے تو آپ کا کاروبار ہی سنبھالنا ہے نا! کوئی نوکری نہیں کرنی! اس لیے مجھے پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

ابو نے چند لمحے سوچا اور پھر وہ کاغذ جسے دیکھ کر وہ پریشان ہو رہے تھے، میرے آگے کر دیا کہ یہ پڑھ کر بتاؤ کہ اب کیا کریں۔ میں نے بہت کوشش کی، مگر مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔

ابو نے مجھے اپنے قریب بلایا اور سمجھایا:

''میں تمھیں اسی لیے بہت سارا پڑھانا چاہتا ہوں کہ کوئی بھی مسئلہ ہو ہمیں پریشان نہ ہونا پڑے۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں نے یوں تو اِمتحان صرف میٹرک کا پاس کیا ہے، مگر ہر مضمون ٹیوشن کے ذریعے پڑھا ہے۔ وکالت اور اکاؤنٹس، تک پڑھا ہے۔

آج بھی تم دیکھتے ہو کہ چھٹی والے دن ایک صاحب مجھ سے ایک گھنٹے کے لیے ملنے ضرور آتے ہیں تو میں ان سے ٹیوشن پڑھتا ہوں، اس لیے مجھے اکثر چیزوں کی سوجھ بوجھ بھی ہے۔''

میں حیرت زدہ ہو کر اَبو کی باتیں سن رہا تھا۔ ساتھ ہی میں نے یہ فیصلہ کیا کہ مجھے بہت سارا پڑھنا ہے، تاکہ ابو کا ہاتھ بٹا سکوں۔''

ابو یہاں تک کہانی سنا کر رُک گئے اور بچوں کو دیکھنے لگے۔

کامران نے پوچھا:

''ابو! پھر اُن ماجد صاحب کا کیا ہوا؟''

''ان کی میرے ابو نے چھٹی کر دی، کیوں کہ وہ ہمیں نقصان پہنچانا چاہتے تھے اور وہ خط بھی انھوں نے ہی بھیجا تھا۔

اچھا، اب ایک بات بتائیں کہ آپ سب صبح اسکول بند ہونے کی دعا کیوں کر رہے تھے؟'' ابو نے پوچھا۔

تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھا، پھر صائم نے کہا:

''ابو! آن لائن کلاس ہو تو رہی ہے، پھر اِسکول جا کر کیا کریں گے، ویسے بھی اب دل ہی نہیں چاہتا۔''

''آپ کو میں نے اسی لیے یہ کہانی سنائی ہے کہ جب تک آن لائن پڑھائی ہے آپ بچوں کی ذمے داری اور زیادہ بڑھ گئی ہے اور جب اسکول جائیں گے تو آپس میں دوسرے بچوں سے ملیں گے، اس سے ہمیں ایک دوسرے سے بات چیت کا سلیقہ آتا ہے، ایک دوسرے کے مزاجوں کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے اور یہ چیز ہمیں آگے بڑھنے میں مدد دیتی ہے۔''

''جی ابو! اب ہماری سمجھ آ گیا ہے کہ پڑھنا اور اِسکول جانا بہت ضروری ہے۔ اب ہم دعا کریں گے کہ اسکول جلد کھل جائیں، تاکہ ہم بھی ترقی کر سکیں۔''

بچوں نے ایک نئے جذبے سے کہا تو ابو نے شکر اَدا کیا کہ بچوں کی سمجھ میں آ گیا ہے کہ تعلیم بہت ضروری ہے۔

ذوقِ معلومات (۷۰) کا درست جواب

☆ مسجد اقصیٰ، فلسطین

خزانے کا نقشہ

مصنف:
ڈاکٹر حنان لاشین
(مصری مصنف)

مترجم:
سماح حسن حامد

آخر کار گرمیوں کی چھٹیوں کا آغاز ہوگیا۔ یوسف بہت خوش تھا، اسی طرح اس کا بھائی عبدالرحمن بھی بہت خوش تھا۔ امتحانات کے دوران میں وہ دونوں بہت تھک چکے تھے اور اَب انھیں طویل آرام کی ضرورت تھی۔

ان کی والدہ نے اس سال چھٹیوں کو خصوصی بنانے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے گرمی کی سرگرمیوں کا اوقات کار یوں تیار کیا:

دونوں روزانہ تیراکی کی مشق کرنے جائیں گے، تاکہ مہارت سے تیرنا سیکھیں۔ وہ اپنے دفاع کے لیے کراٹے سیکھیں گے۔ دونوں میں سے ہر ایک روزانہ ایک نئی کہانی پڑھے گا اور وہ مسجد میں قاری صاحب کے پاس قرآن کریم بھی حفظ کریں گے۔

انھوں نے گھر کے اندر بھی قسمت آزمائی کے کاموں سے پُر، تفریحی ماحول پیدا کرنے کے لیے کچھ دوسری سرگرمیوں کا اہتمام کیا۔

انھوں نے بچوں کو بتایا کہ وہ روزانہ ایک خزانے کو تلاش کرنے کے لیے انھیں ایک نقشہ بنا کر دیں گی، جو مزے دار مٹھائیوں، کھلونوں اور تحفوں سے بھرا ایک صندوق ہوگا، بشرطے کہ وہ ہر روز خزانے کی تلاش کے دوران میں اپنے کمرے، اپنے سامان اور کھلونوں کو قرینے سے رکھیں گے، ورنہ انھیں ہفتہ واری وہ تحفہ نہیں ملے گا جو اُن کے والد پورے ہفتے ان کے اچھے اخلاق کے صلے کے طور پر ہر ہفتے ان کے لیے لاتے ہیں۔

یوسف جلدی سے اٹھا اور وضو کر کے نماز پڑھنے کے بعد وہ نماز کے اس درخت کے پاس گیا جسے اس کی والدہ نے اس کے لیے الماری پر لگا رکھا تھا۔ اس درخت کو وہ ہر ہفتے اس کے لیے بناتی تھیں۔ ہفتے کے دنوں کے اعتبار سے اس کی سات شاخیں ہوتیں اور ہر شاخ میں پانچ بڑے بڑے پتے ہوتے۔ جب یوسف نماز پڑھ لیتا تو اُن میں سے ایک پتے میں سبز رنگ بھر دیتا۔ جب ہفتہ ختم ہوجاتا اور سارے پتے سبز ہوجاتے تو اُسے تحفہ ملتا اور اُس کی والدہ اس کے لیے دعائیں کرتیں، لیکن اس بار اُس نے زرد رنگ کیا، اس لیے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ طلوع آفتاب سے پہلے نہیں اٹھ سکا تھا، اسے افسوس تھا کہ اس کی نمازِ فجر قضا ہوگئی تھی۔

عبدالرحمٰن نے اسے دور سے دیکھا اور محسوس کیا کہ وہ صبح کی نماز کے پتے کو پیلا رنگ کرنے سے کی وجہ سے افسردہ ہے، چناں چہ اس نے یوسف سے کہا:

''صبح بخیر یوسف! اداس نہ ہو، میرا بھی ایک پتا پیلا ہے، کیوں کہ میں بھی کل صبح کی نماز کے لیے وقت پر نہیں اٹھ سکا تھا۔''

یوسف اپنے

بھائی کے پاس آیا اور بولا:

''چلو عبدالرحمن! اٹھو، خزانہ تلاش کریں۔''

''ٹھیک ہے، لیکن ایک منٹ رکو، اور میرے آنے تک تم ایک گلاس دودھ پی لو! کیوں کہ ہم نے عزم کیا ہے کہ ہم کبھی بھی اپنی والدہ کو ناراض نہیں کریں گے۔''

یوسف پُرجوش ہوکر بولا:

''جب تم سو رہے تھے اسی وقت میں نے دودھ پی لیا تھا اور میں نے امی کا وہ پیغام بھی پڑھ لیا جو باورچی خانے میں دودھ کے پاس ایک چھوٹے سے لفافے میں رکھا تھا۔''

عبدالرحمٰن اپنے بستر پر سیدھا ہوکر بیٹھ گیا۔ اس نے یوسف کی طرف دیکھا اور بڑی دل چسپی سے اُس سے پوچھا:

''اُس میں کیا لکھا تھا؟''

یوسف نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا:

''کوئی چیز جو پورے دن چلتی رہتی ہے، بالآخر اُسی جگہ پر واپس آجاتی ہے اور پھر دوبارہ چل پڑتی ہے اور کبھی تھکتی نہیں۔''

عبدالرحمٰن نے اپنے بستر سے چھلانگ لگائی اور بولا:

''بس چند منٹ رکو! میں آتا ہوں، پھر ہم ایک ساتھ اسے تلاش کریں گے۔''

یوسف جوش میں چیخا: ''چلووو۔''

چند منٹ بعد وہ دونوں گھر میں چکر لگا رہے تھے۔

یوسف نے ایک مُحدّب شیشہ لیا اور سر پر ٹوپی پہنی، گویا وہ کوئی انسپکٹر ہو، عبدالرحمٰن نے اپنے ہاتھ اپنی پشت پر باندھے اور چل پڑا۔ وہ چلتے چلتے ہر چیز کا جائزہ لیتا، اسے حرکت دیتا اور اُس کے نیچے جھانک کر دیکھتا، پھر تفتیش کاروں اور معاینہ کاروں کی طرح باوقار انداز میں اپنے ہاتھ پشت پر باندھ لیتا۔

بہت تلاش کے بعد بھی جب انھیں دوسرا پیغام نہیں ملا تو عبدالرحمٰن نے تلاش بند کردی اور اپنے بھائی سے کہنے لگا:

''ہمم، تمھارا کیا خیال ہے، وہ جوتا تو نہیں ہے؟''

یوسف نے جواب دیا:

''مجھے نہیں لگتا، جوتا اسی جگہ واپس نہیں آتا، بل کہ ہم جوتے کے ساتھ مختلف جگہوں پر حرکت کرتے ہیں، اسی طرح ہم پورے دن چلتے بھی نہیں، ہم ٹھہرتے بھی ہیں، بیٹھتے بھی ہیں اور سوتے بھی ہیں اور ہم اسے پورا دِن پہنے بھی نہیں رہتے۔ نہیں، نہیں، وہ جوتا نہیں ہے۔''

عبدالرحمٰن نے کہا:

''مجھے پتا چل گیا، یہ گھڑی کی سوئی ہے۔ ٹک..... ٹک..... ٹک.....''

یوسف نے سبحان اللہ کہا اور بولا:

''شاباش عبدالرحمٰن! تم کتنے ذہین ہو۔''

وہ دیوار پر لٹکی گھڑی کی طرف گئے اور اُسے بہت احتیاط سے حرکت دی۔ اس کے پیچھے سے ایک چھوٹا سا سفید لفافہ گرا، جو دوسرا پیغام تھا۔

عبدالرحمٰن نے بلند آواز سے پیغام پڑھا:

''وہ منہ کو صاف کرتی ہے، پروردگار کی خوش نودی کا باعث ہے، سنت نبوی ہے اور اُس کی خوش بُو اچھی ہوتی ہے۔''

یوسف نے مسکرا کر پُراعتماد لہجے میں کہا:

''یقیناً یہ مسواک ہے۔ آؤ، وہ ڈبا دیکھیں جس میں امی نئی مسواک رکھتی ہیں۔''

دونوں بھائی ڈبے کے قریب پہنچے اور اُسے کھولا۔ وہاں واقعتاً تیسرا پیغام موجود تھا۔

اب یوسف کی باری تھی، اس نے اسے کھولا اور پڑھا:

''قرآن مجید کا نازل ہونے والا پہلا کلمہ۔''

عبدالرحمٰن چیخ اٹھا:

''اِقرأ (پڑھو)، اِقرأ باسم ربک (اپنے رب کے نام سے پڑھو)، یہ سورۃ العلق میں ہے۔''

یوسف بولا:

''آؤ، اپنے کمرے کی دیوار پر لٹکی ہوئی اس تختی کے پیچھے تلاش کریں جس پر ''اقرا'' لکھا ہوا ہے۔''

اور واقعی ان کے کمرے میں لٹکی ہوئی تصویر کے پیچھے چوتھا پیغام موجود تھا، جس تختی پر خوب صورت عربی رسم الخط میں کلمہ ''اقرا'' لکھا ہوا تھا۔

عبدالرحمٰن نے پیغام کھول کر پڑھا:

''جو شخص ان میں سے سات سے ناشتا کرے گا اس دن اسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی۔''

یوسف نے اپنے بھائی کی طرف دیکھا اور اُس سے پوچھا:

''اس سے امی کا کیا مطلب ہے؟ کیا اس کا مطلب سات گلاس دودھ ہے؟''

عبدالرحمٰن نے جواب دیا:

''نہیں، نہیں یوسف! اس کا مطلب کھجور ہے۔ میں نے ابو کو امی سے نبی کریم ﷺ کی اس حدیث کے بارے میں بات کرتے ہوئے سنا تھا جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص ہر دِن صبح سات عجوہ کھجور کھالے تو اُس دن اسے نہ تو کوئی زہر نقصان پہنچائے گا اور نہ جادو۔''

(بخاری و مسلم)

لہٰذا آؤ، باورچی خانے میں کھجوروں کی اس تھیلی میں تلاش کریں جسے کل ابو ہمارے لیے لے کر آئے تھے۔

دونوں بھائی باورچی خانے گئے اور کھجور کی تھیلی بہت احتیاط سے کھولی، تاکہ کھجوریں دب کر خراب نہ ہو جائیں۔ وہاں پانچواں پیغام موجود تھا، جسے والدہ نے ایک چھوٹی سی مربع شکل میں لپیٹ کر کھجور کے دانوں کے درمیان چھپا دیا تھا۔ دونوں بھائی خوش تھے، کیوں کہ دونوں کو ہی کھجوریں پسند تھیں۔ انھوں نے سات مزے دار کھجوریں کھائیں، کیوں کہ وہ تلاش کرتے کرتے تھک چکے تھے اور اَب انھیں از سرِ نو توانائی کی ضرورت تھی۔ پیغام پڑھنے کے بعد، جس میں لکھا تھا: ''کھجور کھانے کے بعد میرے موبائل پر مجھے کال کرنا۔'' انھوں نے تھیلی کو پہلے کی طرح دوبارہ مضبوطی سے بند کر دیا اور ہر چیز کو اُس کی جگہ پر واپس رکھ دیا۔

وہ اس پیغام پر بہت ہنسے، کیوں کہ ان کی والدہ جانتی تھیں کہ وہ کھجوریں ضرور کھائیں گے۔

عبدالرحمٰن نے فون اٹھایا اور اپنی والدہ کو فون ملا کر محبت اور اَدب سے بولا:

''السلام علیکم امی جان! آپ کیسی ہیں؟''

والدہ نے خوش ہو کر جواب دیا:

''وعلیکم السلام میرے پیارے بیٹے! اچھا تو تمھیں پانچواں پیغام مل گیا؟''

عبدالرحمٰن نے کہا:

''جی امی! ہمیں وہ مل گیا ہے اور ہم نے کھجوریں بھی کھالی ہیں۔''

والدہ نے خوش ہو کر کہا:

''چلو، پانچویں پہیلی سنو: دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں، میزان عمل میں وزنی ہیں، رحمٰن کو محبوب ہیں۔ بتاؤ، وہ کیا ہیں؟''

عبدالرحمٰن نے تھوڑی دیر سوچا، لیکن اسے جواب نہیں آیا۔ اس نے اپنی والدہ سے کہا، جو فون پر اُس کے جواب کا انتظار کر رہی تھیں:

''امی! کیا میں اپنے دوست سے پوچھ سکتا ہوں، پھر تھوڑی دیر بعد آپ کو فون کرتا ہوں؟''

والدہ نے کہا: ''ٹھیک ہے پیارے بیٹے!''

عبدالرحمٰن نے والدہ کو سلام کر کے فون بند کر دیا۔ اس نے پہلے اپنے سگے بھائی یوسف سے پوچھنے کا فیصلہ کیا، اس امید پر کہ شاید اُسے جواب معلوم ہو۔ وہ اس کے پاس آیا اور بولا:

''دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں، میزان عمل میں وزنی ہیں، رحمٰن کو محبوب ہیں، بتاؤ، وہ کیا ہیں؟''

یوسف نے کچھ دیر سوچا اور اپنے بھائی سے کہا: ''مجھے معلوم نہیں۔''

عبدالرحمٰن اس کی بات سُن کر بولا:

''امی نے مجھے اپنے کسی دوست سے پوچھنے کی اجازت بھی دی ہے۔ تمھارا کیا خیال ہے، ہم اپنے چچازاد بھائی محمود سے رابطہ کریں اور اُس سے پوچھیں؟ کیوں کہ وہ ہم سے بڑا ہے، وہ اس کا جواب ضرور جانتا ہوگا؟''

یوسف فوراً راضی ہو گیا اور دونوں نے اسی وقت محمود کو فون کیا۔ اس نے انھیں فوراً جواب بتا دیا:

''پیارے بھائیو! وہ دو کلمے سبحان اللہ وبحمدہ اور سبحان اللہ العظیم ہیں۔ تم انھیں رات دن زیادہ سے زیادہ پڑھا کرو۔ میرے والد نے مجھے اسی طرح سکھایا ہے۔''

عبدالرحمٰن بہت خوش ہوا اور اُس نے محمود کا ڈھیر سا شکریہ ادا کرنے کے بعد رسیور رکھا اور اپنے بھائی کی طرف متوجہ ہو کر اُسے جواب بتایا، پھر کہنے لگا:

''اب ہمیں گھر میں کوئی ایسی چیز تلاش کرنی ہوگی جس کا ان دونوں کلمات سے کوئی تعلق ہو۔ یوسف! میرے ساتھ سوچو۔''

یوسف اور عبدالرحمٰن، دونوں سوچتے رہے۔ بالآخر اُنھیں یاد آیا کہ ان کے والد کے کمپیوٹر پر ایک تصویر ہے جس پر سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم لکھا ہوا ہے۔

وہ تیزی سے والد کی میز کے پاس آئے اور کمپیوٹر کھولا۔ ان کے والد نے انھیں اجازت دے رکھی تھی کہ جب وہ نہ ہوں تو وہ ان کا کمپیوٹر استعمال کر سکتے ہیں، کیوں کہ انھیں معلوم تھا کہ وہ دونوں ان کی

فائلوں میں چھیڑ چھاڑ نہیں کرتے۔ اچانک انھیں چھٹا پیغام کمپیوٹر کی اسکرین پر لکھا ہوا ملا، جسے ان کی والدہ نے کام پر جانے سے پہلے لکھا تھا۔ پیغام یہ تھا:

''اب جاؤ، اپنے بستر ٹھیک کرو، اپنے کپڑے لٹکاؤ اور کھلونوں کو ڈبے میں رکھ دو۔''

یوسف اور عبدالرحمٰن، دونوں ہنس پڑے۔ وہ جلدی سے اپنے کمرے میں پہنچے اور اپنے بستر درست کرنے لگے۔ جب وہ اپنے بستر ٹھیک کر رہے تھے تو دونوں کو اپنے اپنے تکیے کے نیچے سے ایک ایک پیغام ملا۔ یہ ساتواں اور آٹھواں پیغام تھا۔

دونوں بھائی بہت خوش ہوئے، کیوں کہ وہ خزانے کے قریب ہو رہے تھے۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنا پیغام کھولنا شروع کیا۔

عبدالرحمٰن کا پیغام ساتواں تھا۔ اس میں لکھا تھا:

''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا، یہاں تک کہ.....''

اور یوسف کا پیغام آٹھواں تھا۔ اس میں لکھا تھا:

''.....وہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرے جسے وہ خود اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''

دونوں بھائیوں نے دونوں پیغامات ایک دوسرے کے ساتھ رکھے اور انھیں ایک ساتھ پڑھا، پھر جب انھیں وہ حدیث نبوی یاد آئی جو اُن کے والد نے انھیں بتائی تھی تو وہ مسکرا اُٹھے۔

دونوں بھائی کمپیوٹر کے پاس واپس گئے اور حیران و پریشان کھڑے ہو گئے۔

''یا اللہ! نواں پیغام کہاں ہے؟ اور دسواں پیغام بھی کہاں چھپا ہوا ہے؟ ان کی والدہ نے انھیں بتایا تھا کہ کل دس پیغامات ہیں۔

وہ اپنے کمرے میں بیٹھے پریشانی میں سوچتے رہے۔

یوسف نے کہا:

''ارے ہاں، امی نے ہمیں بتایا تھا کہ وہ نقشہ بنائیں گی! وہ نقشہ کہاں ہے؟ ہو سکتا ہے کہ باقی دو پیغامات میں سے ایک وہی ہو۔''

عبدالرحمٰن نے کہا:

''میرا خیال ہے کہ باقی کام کافی دل چسپ ہوگا۔ یوسف! آؤ، مل کر نقشہ تلاش کریں اور لائبریری سے شروع کریں۔ امی نے نقشے کو کہانیوں کے درمیان ہی چھپایا ہوگا۔''

وہ دونوں جوش و خروش کے ساتھ تیزی سے لائبریری پہنچے۔ عبدالرحمٰن یکے بعد دیگرے کہانیاں نکالتا رہا اور اُن کے صفحات کے درمیان تلاش کر کے یوسف کو دیتا رہا، تاکہ وہ انھیں ان کی جگہوں پر واپس رکھ دے۔ بالآخر باریک بینی سے تلاش کے بعد اُنھیں نقشہ مل گیا۔

نقشہ آسان بنایا گیا تھا۔ اس پر کچھ اشارے اور کٹے ہوئے حروف بھی بنائے گئے تھے۔ والدہ نے چاروں کمروں، گھر کے ہال اور باورچی خانے کی طرف جانے والی گزرگاہ تک کا نقشہ بنایا تھا اور ایک کمرے کے کونے میں ایک بڑا سا نشان بھی بنایا تھا۔

یوسف چیخا: ''یہ میرا بستر ہے، خزانہ میرے بستر کے نیچے ہے۔''

دونوں بھائی کمرے کی طرف دوڑے۔ یوسف لیٹا اور بستر کے نیچے مہارت سے پیٹ کے بل رینگ گیا۔ اس کے بستر کے نیچے لکڑی کا ایک خوب صورت ڈبا تھا۔ اس نے اسے کھینچنے کی کوشش کی، لیکن وہ ڈبا بھاری تھا، اس لیے اس نے عبدالرحمٰن کو بلایا، تاکہ جب وہ ڈبے کو پکڑے تو وہ اس کا پیر پکڑ کر اُسے باہر کھینچے۔ عبدالرحمٰن نے اپنے بھائی کے پاؤں پکڑے اور پیچھے کی طرف کھینچنے لگا۔ یوسف نے ڈبے کو اچھی طرح پکڑ رکھا تھا، تاکہ وہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ نہ جائے۔

بالآخر دونوں بھائی بستر کے نیچے سے ڈبا نکالنے میں کام یاب ہو گئے اور فرط خوشی سے انھوں نے متعدد بار ہوا میں چھلانگ لگائی۔

عبدالرحمٰن نے کہا: ''آخر کار ہمیں خزانہ مل ہی گیا۔''

لیکن اچانک ان کا دماغ ایک اہم چیز کی طرف گیا۔

''ڈبے کی چابی کہاں ہے؟''

دونوں بھائیوں نے اسے ہر جگہ تلاش کیا، لیکن وہ نہ ملی۔ یوسف کو کچھ یاد آیا اور اُس نے اپنے بھائی سے کہا:

''صرف ایک ہی پیغام بچا ہے۔ اس میں ہمیں یہ ضرور بتایا گیا ہوگا کہ چابی کہاں ہے؟ آؤ، کسی دوسری جگہ تلاش کریں۔''

عبدالرحمٰن نے کچھ دیر سوچا، پھر اپنے بھائی سے کہا:

''پیغامات نہ تو دروازوں کے پیچھے ہیں اور نہ ہی ہمارے کپڑوں کی الماریوں میں ہیں، اسی طرح قمیصوں کی جیبوں اور اسکول کے بستوں میں بھی نہیں ہیں اور کہانیوں کے درمیان تو ہم ڈھونڈ ہی چکے ہیں۔

''چابی کہاں ہے؟ چابی کہاں ہے!'' یوسف چیخا: ''آؤ دوسری جگہوں پر تلاش کریں، جیسے سوفے کے نیچے، فریج کے اندر، یا پرانی الماری

کے اوپر۔''

عبدالرحمٰن نے چٹکی بجائی، پھر خوش ہو کر کہا:

''بہت اچھا خیال ہے، شاباش یوسف!''

دونوں بھائیوں نے تلاش کرنا شروع کیا۔ درازوں کے اندر، قالین کے کناروں کے نیچے اور کھلونوں کے درمیان، لیکن بالکل غیر متوقع طور پر اُنھیں دروازے کے پیچھے لٹکے ہوئے یوسف کے کوٹ کی جیب میں چابی ملی۔

یوسف اور عبدالرحمن بہت ہنسے اور پھر دونوں ایک ساتھ اس کمرے کی طرف تیزی سے دوڑے جہاں لکڑی کا ڈبا موجود تھا۔ چابی کو تالے میں لگا کر گھمایا تو بآسانی ڈبا کھل گیا۔

اس کے اندر بہت سارے تحفے، مٹھائیاں، بسکٹ اور چاکلیٹ تھے، لیکن انھوں نے یہاں ایک عجیب وغریب چیز دیکھی!

وہاں تمام چیزوں کا صرف ایک ایک ٹکڑا ہی تھا۔

اس وقت دونوں بھائیوں نے فوراً ہی اپنی والدہ کا دسواں اور آخری پیغام سمجھ لیا، جسے انھوں نے لکھا نہیں تھا، پھر ڈبے میں موجود تمام چیزیں آپس میں تقسیم کیں اور اَندر سے نکلنے والی ہر چیز کو آدھا آدھا بانٹتے گئے۔

عبدالرحمٰن نے مزے دار چاکلیٹ کھاتے ہوئے اپنے بھائی کی طرف دیکھ کر کہا: ''اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرو.....''

یوسف مسکرایا اور مزے دار چاکلیٹ کھاتے ہوئے اپنے بھائی کی طرف دیکھ کر کہا:

''جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو۔''

آخر دونوں بھائیوں نے خزانہ دریافت کر ہی لیا تھا۔

اسی دوران میں انھوں نے گھر کا دروازہ کھلنے کی آواز سنی۔ یہ ان کی پیاری امی تھیں۔

دونوں بھائیوں نے ایک ہی آواز میں جوش کے ساتھ چیخ کر کہا:

''امی ی ی.....آ گئیں ں ں۔''

وہ دو حصوں میں تقسیم شدہ مٹھائی اپنے ہاتھوں میں لیے خوشی خوشی ان کی طرف دوڑے۔ امی نے اپنا پرس رکھا اور یہ کہتے ہوئے انھیں گلے لگا لیا:

''ایسا لگتا ہے کہ تم دونوں کو قیمتی خزانہ مل چکا ہے اور وہ ''محبت'' ہے۔''

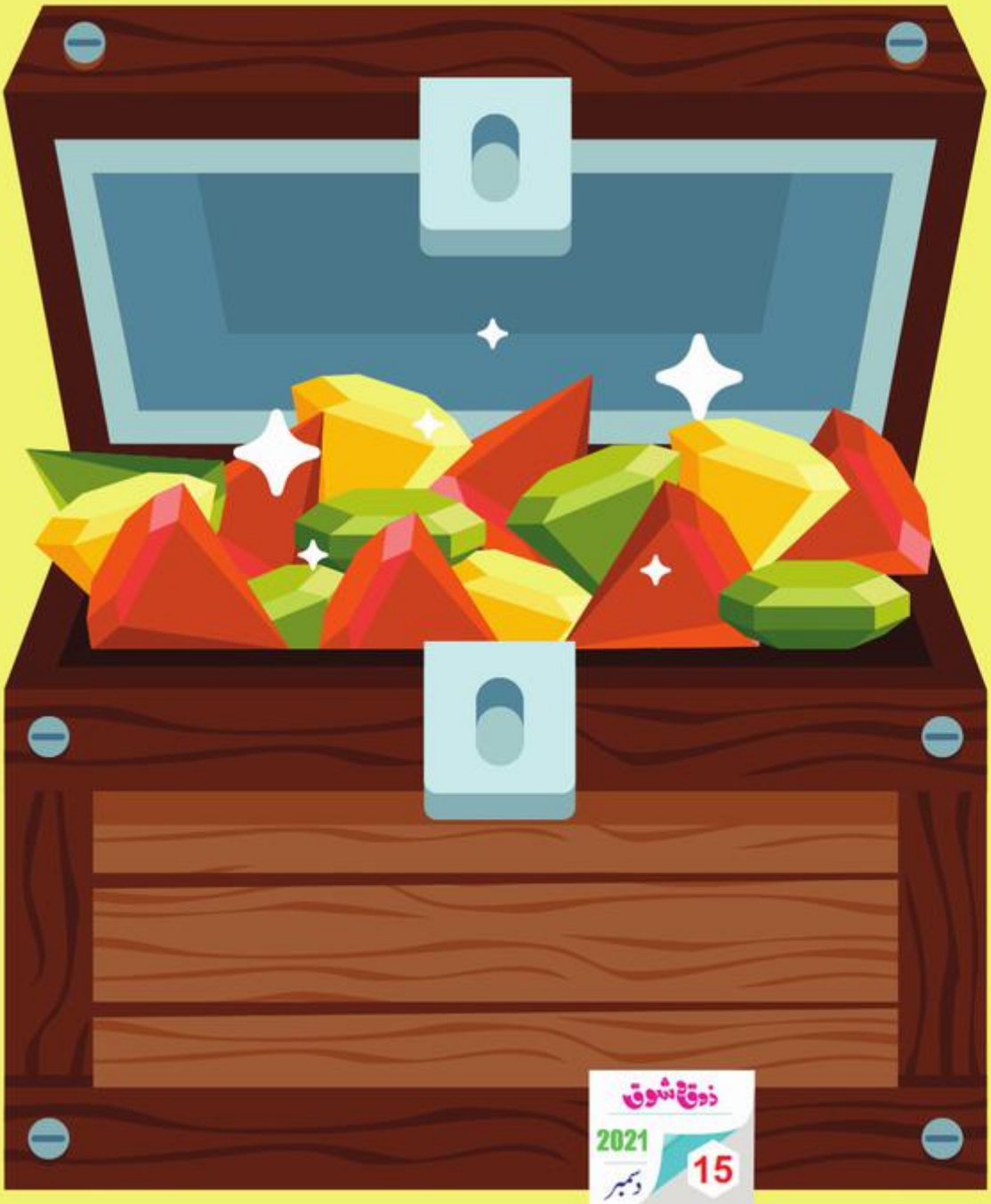

انوکھے انسان

محمد دانیال حسن چغتائی۔ کہروڑ پکا

تین پاکیزہ ارواح لق و دق صحرا کے سینے پر عشق و عبودیت کا سفر کر رہی تھیں۔ ان میں ایک مرد تھا، ایک عورت تھی اور ایک معصوم بچہ.....

ابوسلمہ، ام سلمہ اور سلمہ۔

وہ مکہ چھوڑ رہے تھے، مدینے کی طرف کوچ ہو رہا تھا، حالاں کہ مکہ ان کا آبائی وطن تھا اور مدینہ یک سَر پردیس۔

گھر کے در و دیوار تک سے انسان کو گہری محبت ہوتی ہے۔ وطن کی گلیاں بھی آدمی کو عزیز ہوتی ہیں۔ کاروبار اور معاشی وسائل میں بھی جی انکا رہتا ہے۔

مگر یہ لوگ ان تمام چیزوں کو اپنے پیچھے چھوڑے چلے جا رہے تھے اور سامنے اب جو کچھ تھا وہ ویران صحرا تھا اور صحرا کے اس پار مدینے کی بستی، جہاں پہنچ کر انھیں از سرِ نو اپنی دنیا بسانی تھی، نئے سرے سے زندگی شروع کرنی تھی۔

کوئی انھیں اس سفر پر مجبور نہیں کر رہا تھا، کوئی لالچ بھی نہیں تھا اور.....اور وہ دیوانے بھی نہیں تھے تو پھر آخر یہ کیا ہو رہا تھا اور کیوں؟ آخر وہ کون تھے؟

تاریخ پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے وفادار بندے تھے اور اُن کا یہ سفر عشق و عبودیت کا جاں نثارانہ سفر تھا۔ وہ ہجرت کر رہے تھے۔ ہجرت جو ایک بہت بڑا جہاد ہے۔ یہی وہ سفر ہے جس کے پہلے ہی قدم پر انسان کے دل میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ دنیائے رنگ و بُو سراسر فانی ہے۔ جہاں انسان یہ دھوکا کھا رہا ہے کہ وہ مقیم و مکین ہے، حالاں کہ وہ محض ایک مسافر اور ایک راہی ہے۔ محض ایک راہ گیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس سے آیا اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہر لحہ پلٹ رہا ہے۔ یہ تھی وہ بات جو اُنھیں شہر مکہ کے نبی امی ﷺ نے بتائی تھی اور وہ جانتے تھے کہ انھوں نے کبھی اپنی عمر میں جھوٹ بولا ہی نہیں۔ جو انسان کے ساتھ سچا ہو وہ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں جھوٹا کیسے ہو سکتا ہے؟ اسی لیے ان لوگوں کو اِس بات کا اتنا ہی یقین آ چکا تھا جتنا کسی بھی سچی سے سچی بات پر کسی کو ہو سکتا ہے۔ وہ اسی یقین سے سرشار گھر سے نکلے تھے۔ یہی یقین تھا، جس نے انھیں اپنے مکی گھروں میں بے چین کر دیا تھا، جن کے چاروں طرف کفر و شرک کی طاقتیں گھیرا ڈالے ان سے کہہ رہی تھیں:

تم محض اس یقین سے دست برداری کر دو، ہم لوگ تمھیں کچھ نہیں کہیں گے۔ یہاں رہنا ہے تو تمھیں اس دنیا کو اپنا پہلا اور آخری گھر تسلیم کرنا ہوگا۔ پتھر کے ان سینکڑوں جھوٹے معبودوں کے آگے جھکنا ہوگا جنھیں انسانی ہاتھوں نے تراشا ہے۔ ایسا کرو گے تو ہم تمھارے ہیں۔ تمھارے گھر ہیں جن میں اپنے بیوی بچوں کے درمیان تم بھی خوشی رہتے ہو۔ تمھاری تجارتیں ہیں، لیکن اگر ایسا نہیں کرتے تو تمھاری کوئی چیز بھی تمھاری نہ رہے گی۔

یہ دو یقین تھے جو پورے زور و شور سے ٹکرا رہے تھے، جن میں ایک

خودفریبی تھا اور دوسرا خداشناسی۔ اور ''خودفریبی'' نے دیکھا کہ ''خداشناسی'' نے بے جھجک اپنی ساری دنیا اس ایمان و یقین کے داؤ پر لگادی اور وہ تینوں دنیا سے دامن جھاڑ کر اپنے اللہ تعالیٰ کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ کتنے سچے اور کتنے کھرے تھے وہ اپنے یقین میں۔

کفر و شرک آگ بگولہ ہوگئے، جھلا اٹھے، بوکھلا گئے! کیسے ممکن تھا کہ وہ انھیں اپنے جان و ایمان سلامت لے کر یوں ہی چلا جانے دیں؟

ابوسلمہ اور اُم سلمہ، دونوں کے اپنے اپنے قبائل نے دونوں طرف سے ان کا پیچھا کیا اور ایک وحشیانہ حملہ کرکے بنی مغیرہ کے لوگ اپنے قبیلے کی خاتون ام سلمہ کو زبردستی گھسیٹ کر لے جانے لگے۔ دوسری طرف سے ابوسلمہ کے قبیلے بنواَسد کے لوگوں نے ہلا بول دیا اور معصوم بچے سلمہ کو ماں کی گود سے کھینچتے ہوئے کہا:

''ام سلمہ کے قبیلے والے اپنے قبیلے کی عورت کو لے جاسکتے ہیں تو یہ بچہ ہمارے قبیلے کا ہے، یہ ہمارے ساتھ جائے گا۔''

اور بے کسی اور بے چارگی نے ماں باپ پر کرب طاری کردیا۔

دونوں قبیلوں کے لوگوں میں بچے پر وحشیانہ چھینا جھپٹی ہونے لگی۔ دل فگار و اَشک بار والدین کی کسی نے نہ سنی اور اسی چھینا جھپٹی میں معصوم بچے کا ہاتھ اتر گیا۔ بچے کی دردناک چیخ بلند ہوئی اور ماں باپ تڑپ جانے کے سوا کچھ نہ کرسکے۔ روتے تڑپتے بچے کو بنی عبداَسد والے لے کر چل دیے۔

تڑپتا ہوا بچہ ماں باپ کی طرف دیکھ کر تڑپ رہا تھا اور ایک سمت لے جایا جارہا تھا۔ روتی سسکتی عورت جو ایک ماں بھی تھی اور بیوی بھی، وہ دوسری طرف گھسیٹی جارہی تھی، لیکن وہ مرد جو ایک باپ بھی تھا اور ایک شوہر بھی، جسے اس وقت صرف اتنا ہی یاد رہ گیا تھا کہ میں ایک اللہ کا غلام ہوں، وہ اب بھی مدینے ہی کی طرف چل رہا تھا۔ اللہ کا بندہ اللہ کی طرف دوڑا جارہا تھا۔ اسے اب بھی یقین تھا کہ نبی کریم ﷺ نے جو بات کہی ہے وہی حق ہے۔ اسے اب بھی یقین تھا کہ یہ ابتلائے شدید بھی محض ایک ایمانی آزمائش ہے، جس کا انجام ظالموں کی شکست اور مظلوموں کی کامیابی ہی ہوگا۔ باطل کی ہلاکت اور حق کی جیت اٹل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں دیر ہے، اندھیر نہیں۔ کتنا مضبوط ہے اللہ کا سہارا!

جہاں تمام سہارے ٹوٹ کر رہ جاتے ہیں وہاں بھی یہ تنہا سہارا ڈوبنے اور مایوس ہونے نہیں دیتا۔ مہیب سے مہیب حقائق اس سے ٹکراتے ہیں، مگر خود ہی سر پٹخ پٹخ کر پاش پاش ہوجاتے ہیں اور یہ سہارا جوں کا توں قائم رہتا ہے۔

ان تینوں کے لیے بھی یہ سہارا کافی تھا اور کافی ہی ثابت ہوا۔ واقعی وہ تینوں عظیم کامرانی سے ہم کنار ہوئے، جن کے سینوں کو تھوڑی دیر کے لیے ابتلا اور آزمائش کے طوفانی تھپیڑوں نے ٹکڑے ٹکڑے کرکے بکھیر دیا تھا۔ اگرچہ یہ کامیابی ایک سال بعد ظاہر ہوئی، لیکن ہوئی ضرور اور اسے ظاہر ہونا ہی تھا، بشرطے کہ انسان انتظار کرسکے۔

ان جاں گداز آزمائش کے لمحات میں ابوسلمہ اور اُم سلمہ، اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا انتظار کرتے رہے، مگر نہ مرد نے ہار مانی نہ عورت نے۔ ایک سال تک ابوسلمہ مدینے میں اپنی شریک حیات اور اپنے جگر پارے سے جدا رہے۔ ایک سال تک ام سلمہ ریگستان کے ذرّوں کو اپنے آنسوؤں سے تر کرتی رہیں۔ وہ بے کل ہو ہو کر گھر سے نکلتیں اور صحرا میں جا جا کر اپنے نادیدہ خدا کے حضور میں رویا کرتی تھیں۔ بس یہی ایک شے تھی جس میں انھیں سکون ملتا تھا۔ ماں، باپ اور بچہ، تینوں اپنی اپنی جگہ بے قرار تھے اور اَشک بار بھی، مگر اُن کے لیے یہ بات کتنے اطمینان کی تھی کہ یہ ظالم دنیا ہم سے سب کچھ لوٹ لینے کے بعد بھی یہ محسوس کرنے پر مجبور ہے کہ وہ ہمیں لوٹ نہیں سکی، اس لیے کہ ہمارے ایمان پر ہاتھ ڈالنا اس کے بس کی بات نہیں۔

ایک سال کی طویل آزمائش ایک دن ختم ہوگئی اور اُس کے ساتھ ہی ان تینوں کے جیسے تمام غم ختم ہوگئے۔ وہ دن آیا جس دن کفر و شرک نے تھک ہار کر اُس مومنہ کو اپنے چنگل سے خود ہی چھوڑ دیا۔ اسے وہاں جانے دیا جہاں وہ جانا چاہتی تھی۔ یہ خبر سنتے ہی بنی عبداَسد والوں نے بھی اس کے بچے کو گود میں لاکر ڈال دیا۔

وہ تینوں جو اس بُری طرح جدا ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے انھیں پھر اکٹھا کردیا، درندوں کے چنگل سے نکالا اور پتھر جیسے دلوں کو اُن کے لیے موم کردیا۔ وہ تینوں ایک بار پھر یک جا ہوئے۔ آج بھی تینوں اشک بار تھے، مگر یہ آنسو خوشی اور شکر کے تھے۔ شکر نعمت اور جذبہ مسرت کے آنسوؤں میں بھیگے ہوئے دیدہ و دل پکار اُٹھے:

''یاالٰہی! تیرا شکر ہے۔ تُو نے ہی یہ آزمائش اتاری اور تُو نے ہی ہمیں اسے جھیلنے کی طاقت دی، پھر تُو نے ہی ہمیں اس میں کامیاب کیا۔ مصیبت ختم ہوگئی، مگر ہمیں یقین ہے مالک! اس کا انعام کبھی ختم نہ ہوگا۔''

کتنے اچھے تھے وہ لوگ جو اتنی سخت، اتنی خوف ناک آزمائش میں بھی کھرے اور پورے اترے تھے اور ہماری صرف اتنی آزمائش ہے کہ کوئی آزمائش نہیں۔ وہ صبر و ثبات کی زہرہ گداز گھاٹی بھی خوشی سے سَر کرسکتے تھے، لیکن ہم سے شکر کا بھی حق کسی درجے میں ادا نہیں ہوتا۔ وہ یقیناً مومن تھے۔

کیا ہم بھی ویسے مومن ہیں؟ مسلمان ہیں؟ سوال اپنے آپ خود سے کیجیے۔ اپنے ہی دل و ذہن کو ٹٹولیے اور دیکھیے کہ ظلمت کی تہ میں روشنی کا کوئی نقطہ، کوئی لکیر باقی ہے یا نہیں؟

''ہر پاکستانی، جہاں جس جگہ، جس حال میں تمھیں ملے اس کی سوچ بدلو۔ سب کی سوچ سیدھی راہ پر آجائے گی تو عمل خود بخود صحیح ہوجائے گا۔ لوگ خود کو کم تر سمجھنا کرنا چھوڑیں۔ ہم لوگ الحمدللہ! ہر طرح اہلِ مغرب سے بہتر اور اعلیٰ ہیں۔ اگر ہم دین پر چلیں تو پوری قوم خوش حال ہوجائے گی، ان شاء اللہ!''

دادا جان نے اعتماد سے کہا۔

''یہ کام اتنا مشکل بھی نہیں، مگر پوری زندگی کرنا پڑے گا!''

قاسم سوچتے ہوئے بولا۔

''ہاں بالکل! یہ کام کئی نسلوں کو کرنا پڑے گا۔ میرے بچو! تمھیں اور تمھاری قوم کو تباہ کرنے والے 1613ء سے نسل در نسل تمھیں نقصان پہنچانے کے لیے آج تک اپنے کاموں میں لگے ہوئے ہیں، لہٰذا اُنھیں جواب دینے کے لیے ہماری بھی کئی نسلوں کو کام کرنا ہوگا۔ یہ اسی صورت ممکن ہے جب ہم لوگ قرآن و حدیث کے مطابق خود کو ڈھال لیں، کیوں کہ اس دین کی فطرت میں ہر کوشش کا نتیجہ صرف اور صرف فتح اور کام یابی ہی ہوتی ہے، اور کچھ نہیں!''

دادا جان بولے۔

''مگر پہلے آپ یہ بتائیں کہ ہمارے اندر آج بھی کوئی نہ کوئی ''ایسٹ انڈیا کمپنی'' کیسے کام کر رہی ہے؟''

صبوحی کو اِس بات پر سخت حیرت ہو رہی تھی۔

''دیکھو بیٹی! پہلی بات تو یہ کہ ہمارا نظامِ تعلیم اب تک وہی پُرانا، لارڈ میکالے کے انداز پر ہے۔

۲۔ ہم آج بھی انگریز، بل کہ اب پوری مغربی دنیا کو اپنا مالک سمجھتے ہیں، ان سے مرعوب ہیں، جب کہ ہم آسانی سے چند برس میں ہی ان کی جگہ لے سکتے ہیں، کیوں کہ ذہانت، محنت اور صلاحیت میں ہم ان عیاشوں سے بہت بہتر ہیں، صرف سوچ کی تبدیلی کی ضرورت ہے۔

۳۔ انگریز کی غلامی سے پیٹ نہ بھرا تو ہم نے ہندو کی غلامی بھی اُوڑھ لی۔ ہندوؤں کی تہذیب کو اپنے معاشرے میں پروان چڑھایا، جب کہ اپنی روشن تہذیب کو اُن کے بے سروپا طور طریقوں کے مقابلے میں چھوڑ دیا۔

۴۔ مغربی اور ہندوستانی مصنوعات مہنگی خریدی جاتی ہیں اور پاکستان کی عمدہ چیزوں کو ہم خود ہی حقیر سمجھتے ہیں، نتیجہ یہ نکلا کہ آج پاکستانی اپنا مال بیچنے کے لیے دھوکا دے کر دوسرے ممالک کا نام استعمال کرتے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ غیر ملکی بڑی کمپنیوں کی نقصان زدہ اشیا کو بھی بڑے پُرکشش انداز میں اشتہارات کے ذریعے پیش کیا جاتا ہے، جب کہ اِن اشیا کے نقصان دہ ہونے کی نشان دہی ہونے کے باوجود بھی اُن پر کوئی پابندی نہیں لگائی جاتی۔'' دادا جان نے دُکھی ہو کر بتایا۔

''ہاں، پاکستانی بناتے تو پابندی بھی لگتی اور ذلیل بھی کیا جاتا۔''

قاسم نے

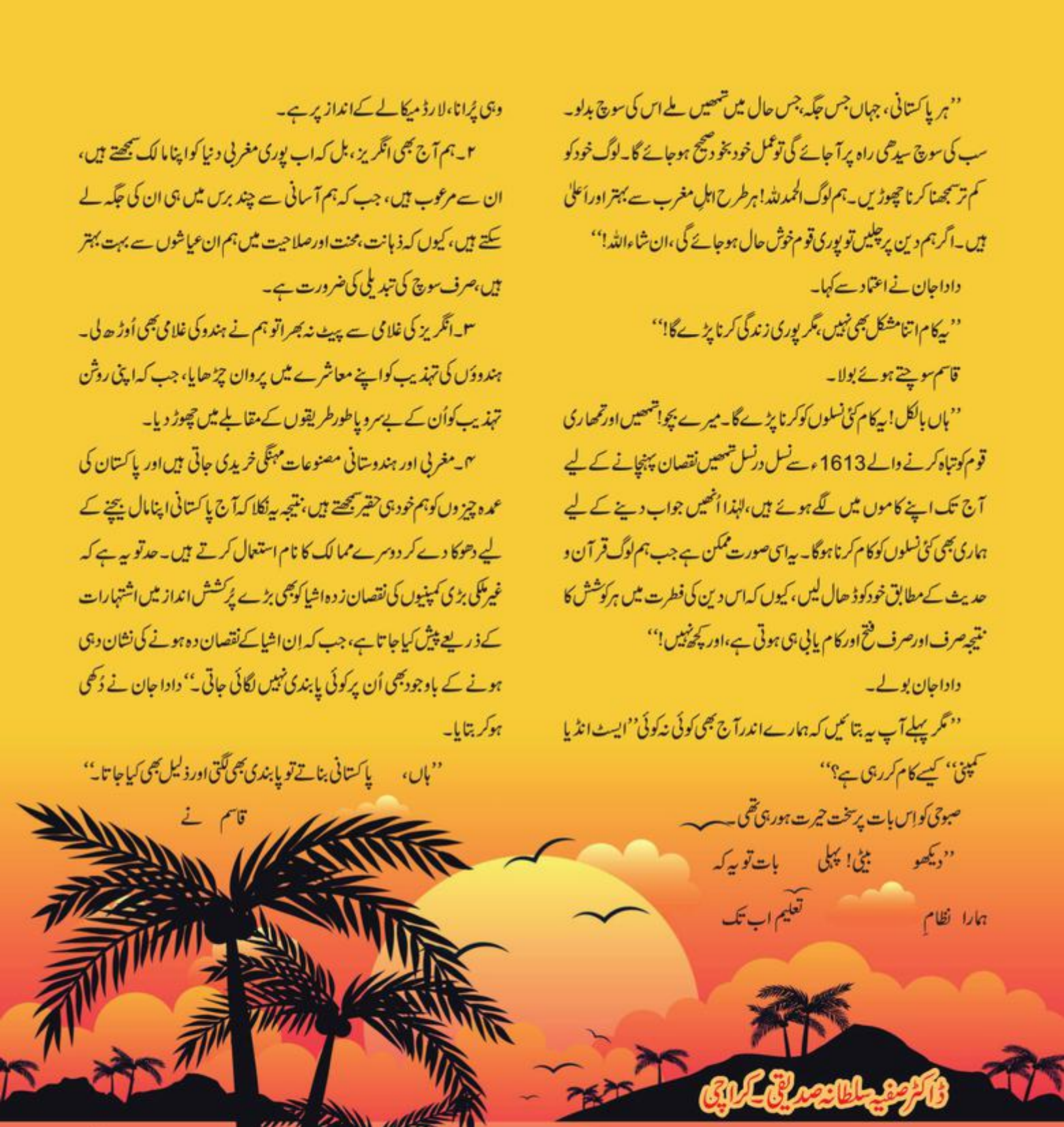

ڈاکٹر صفیہ سلطانہ صدیقی۔ کراچی

آزادی کا سورج ۵

(آخری قسط)

دانت پیس کر کہا۔

''جس طرح بعض چالاک ہندو ٹیکس سے بچنے کے لیے مغلیہ دور میں، انگریز تاجروں کا جھنڈا لہراتے تھے، تاکہ بادشاہ کی سہولتیں جو انگریز کے لیے ''خاص'' تھیں، اس مہربانی سے وہ بھی فائدہ اُٹھا سکیں!''

صبوحی نے یاد دِلایا۔

''ہاں، اور باہر کی ملٹی نیشنل کمپنیاں سب صلاحیت و ذہانت چھانٹ چھانٹ کر اپنے پاس اُٹھا لیتی ہیں، کیوں کہ وہ تنخواہ زیادہ دیتی ہیں، لہٰذا خون بھی اچھی طرح چوس لیتی ہیں اور لوگ گر پڑ کر وہاں نوکری ڈھونڈتے ہیں، تاکہ ان کی صلاحیتوں کے مطابق تنخواہ مل سکے۔''

''افسوس! یہ بات اہلِ حکومت کی سمجھ میں نہیں آتی؟''

صبوحی نے حیرت سے کہا۔

''ہاں، جیسے تین ہزار کے لالچ میں کمپنی کو کام کرنے کی اجازت مغل بادشاہ نے دی تھی اور اس تین ہزار سے اتنے متاثر ہوئے تھے کہ دشمن کو بغیر اجازت اور بغیر چیکنگ کے ملک بھر میں ہر جگہ نقل و حرکت کی اجازت دے ڈالی تھی۔''

قاسم نے کہا۔

''میرے بچو! انگریزی تہذیب گویا ہمارے رگ و پے میں رچ بس گئی ہے، اگر اِسے نکال باہر کیا جائے تو ''انگریزی زبان'' ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔ انگریزی کے ساتھ جو تعلیمی نظام ہمیں دیا گیا تھا اُس سے ہمارے دماغ فتح کیے گئے تھے، حالاں کہ اس بے حیا اور لالچی ہوس ناک تہذیب میں کوئی خوبی نہ تھی، سوائے دولت اور حکمرانی کے، اور وہ دولت اور حکومت بھی ہم نے انھیں تھال میں رکھ کر پیش کی تھی، ورنہ وہ قوت کا استعمال کر کے اسے کبھی حاصل نہ کر سکتے تھے۔

ہماری غفلت نے انھیں مال دار حکمران بنایا تھا اور ہمیں ان کا غلام! انھی کی اثر سے ہم مادّہ پرست ہو گئے! ہم نے دولت اور معیارِ زندگی کے لیے رشتوں کو کچل دیا۔ ہم اپنی ''تہذیبِ محمدی'' کی طرف پلٹنے کو نعوذ باللہ! جہالت اور دقیانوسیت سمجھتے ہیں۔ ہمارے ہاں اعلیٰ تعلیم سے مزین شخص پر ایسے شخص کو ترجیح حاصل ہے جو بے شک میٹرک فیل ہو، مگر انگریزی ''گفتگو'' کی صلاحیت رکھتا ہو۔ یہ غلامی نہیں ہے تو اور کیا ہے!؟ کہ ''ایک زبان'' نے مسلمانوں کے تمام علوم اور فنون کی اہمیت کو صفر کر دیا۔ اس چیز کو بدل دو، سب ٹھیک ہو جائے گا، جیسے اقبال نے اس حقیقت کو سمجھا اور سمجھایا تھا۔ انھوں نے مغربی تہذیب کو رَد کر دیا تھا۔ وہاں جا کر اُس تہذیب و ثقافت کی مکروہ صورت دیکھی تھی، لہٰذا اُن کی ثقافت اور تہذیب کو ٹھوکر مار دی تھی۔

دوسری طرف ہندوستان میں بسنے والے انگریزی سیکھنے والے مسلمان محض انگریزی پڑھنے اور اُس کی سند ملنے پر دوسرے ہندوستانی مسلمانوں کو حقیر سمجھتے تھے۔ دیکھ لو، یہ ''روایت'' آج بھی قائم ہے۔ آج بھی انگریزی کو باقی زبانوں، بل کہ علوم پر ترجیح دی جاتی ہے اور مادری زبان کو آخری درجے میں ڈال دیا گیا ہے؟ کون سی قوم ایسا کرتی ہے سوائے غلاموں کے؟ ہمیں اس غلامی، دماغی غلامی سے باہر نکلنا ہے! اپنا کھویا ہوا مقام واپس لینا ہے، ''خودی'' بحال کر کے دوسروں کو بھی راہ دکھانی ہے۔ ہمارے پاس ذرائع بہت ہیں، مگر ہمت اور حوصلہ کم ہے، اسے بڑھانے کی ضرورت ہے۔

اسلام کی فطرت میں ''فتح'' ہے۔ اگر کسی مسلمان کو یہ فتح نہیں مل رہی تو سمجھ لو کہ وہ قرآن یا سنت سے ہٹ گیا ہے! قرآن و حدیث کے احکام کو اختیار کرو اور اپنے وجود سے مغرب کی گندی تہذیب کو نکال باہر پھینکو۔ دین کی تہذیب کے نئے بیج ڈالو، سب کچھ پالو گے! ساری کامیابیاں۔''

داداجان خاموش ہو گئے۔

''مگر کیسے؟''

دونوں بچوں کے چہرے چمکنے لگے۔

''یہ مستقل مزاجی سے کرنے کا کام ہے۔ کرتے رہو گے تو راہ پر رہو گے۔''

داداجان نے کہا۔

''آسان الفاظ میں بتائیں؟''

دونوں بچوں نے بے چینی سے پوچھا۔

''رائے عامہ کو بدلنا ہوگا۔ لوگوں کے ذہنوں کو بدلنا ہوگا۔ لوگوں کے ذہنوں کو قرآن و حدیث کے مطابق کرنے کی کوشش کرتے رہو۔ غلامی کے اسباب بتاؤ اور جب مشکلات آئیں تو سورۃ العصر کا پیغام یاد رکھو!''

''میں سمجھ گیا، سب سمجھ گیا! گزشتہ زمانوں میں سب نے نقصان اُٹھایا، صرف وہ بچ گئے جو ایمان پر قائم تھے، نیک عمل والے تھے اور حق

سمجھانے والے تھے، پھر ہر مخالفت پر صبر کرنے اور صبر کرنے کی تلقین کرنے والے تھے۔“

قاسم نے جوش سے کہا اور ایک نئے عزم سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ صبوحی اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ دادا جان کے چہرے پر اک پُرسکون مسکراہٹ آچکی تھی۔

وہ سوچ رہے تھے کہ ہر گھرانے کے بڑوں کا فرض ہے کہ یہ تمام حقائق وہ اپنے بچوں کو منتقل کر کے اس دنیا سے جائیں، تاکہ آنے والی نسلیں، آزاد نسلیں ہوں، غلام نسلیں پیدا ہونے کا سلسلہ اب بند ہونا چاہیے، جو پاکستانی ہو کر بھی عزت پانے کے لیے پاکستان کی بے عزتی کرتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ جو فیشن کی دوڑ میں اندھے ہو چکے ہیں، مگر اُن کی حماقتوں پر کسی کو ہنسی نہیں آتی۔ یہ سب ہماری قوم کو ضرور سمجھ آئے گا، مگر اس کے لیے قرآن کو طاق سے اُتار کر عمل میں لانا ہوگا اور اقبال کی شاعری کو بند کتب خانے سے نکال کر زبانوں پر لانا ہوگا، وہ بھی فہم کے ساتھ۔ اس کے بعد لوگ خود بخود سوچیں گے اور حیران ہوں گے کہ انھوں نے حماقتوں کی ایک اور صدی کیوں اور کیسے گزار لی!

کچھ دن بعد ۲۵ دسمبر کے موقع پر اسکول میں تقریری مقابلہ تھا۔ قاسم بڑے ہی جوش سے تقریر کر رہا تھا:

”اور اگر آج بھی ہم نے خود کو نہیں بدلا، اپنی قوم کو اپنی ”اصلی“ شناخت واپس نہ کی تو پھر ہم کب جاگیں گے؟ ہم کب تک انگریز، بل کہ اب پوری مغربی تہذیب و ثقافت کے غلام رہیں گے؟ ہماری اور کتنی نسلیں غلامی کا بوجھ اُٹھائیں گی؟ اپنی عملی زندگیوں میں ہم آج بھی علاحدہ پاکستان میں نہیں، بل کہ اسی متحدہ ہندوستان میں کھڑے ہیں، جہاں انگریز نے دو سو سال کی مسلسل اور لمبی سازش کے بعد چپکے چپکے خود کو معاشی اور پھر سیاسی طور پر منظم کیا اور عظیم مسلم مغلیہ سلطنت کو چپکے چپکے دیمک بن کر چاٹ گئے اور جہاں سے نکلنے کے لیے مسلمانوں نے قائداعظم اور اُن کے رفقا کی معیت میں لاکھوں قربانیاں دیں۔

بھائیو! آج بھی ہم اسی اٹھارہ سو ستاون میں جی رہے ہیں جب انگریز نے مسلم بادشاہ کو قید کر کے ہند کے مسلمانوں پر اپنی بادشاہت کا اعلان کیا تھا! ہم آزاد ہو کر بھی اسی سازشی، غدار انگریز کی بادشاہت کو اپنے غلام ذہن میں تسلیم کرتے ہیں!

ہم آج آزاد کہلاتے ہیں، مگر ہم آزاد پاکستان میں رہ کر بھی انگریز کے پیدا کیے ہوئے اسی ذہنی تشدد کا شکار ہیں کہ انگریزی کو ایک زبان کی طرح نہیں، بل کہ اپنا سب کچھ بنا کر سیکھو تو تمھیں نوکری ملے گی اور اگر انگریزی نہیں سیکھو گے تو اِس آزاد پاکستان میں بھی تمھیں تمھاری تمام قابلیتوں اور سندوں کے باوجود جاہل اور اَن پڑھ کہا جائے گا۔ غلام اور کیسے ہوتے ہیں!؟

ہمارے دماغ اور جسم آج بھی اسی گھٹیا انگریز قوم کے قبضے میں ہیں۔ ہم پاکستانی کو پاکستانی ہونے پر ذلیل کرتے ہیں۔ اگر انگریزی کو زبان کی طرح سیکھنے کے بجائے اسے اُوڑھنا بچھونا بنانا ہی اس ملک کی تقدیر ہے تو پھر ہم آزاد کہاں ہیں؟

لیکن اگر ہم آزاد ہیں، ہمارے دل اور ذہن آزاد ہیں تو ہم انگریزی زبان کو بھی ایک زبان کی حیثیت سے بڑی عمدگی سے سیکھ سکتے ہیں، البتہ پھر آزادی ہمیں یہ فائدہ دے گی کہ ہم ان کی ننگی تہذیب کی بدتہذیبی نہیں سیکھیں گے!“

پورے پنڈال پر سکوت طاری تھا اور قاسم جوش میں بول رہا تھا:

آج ہمارے یہاں ہماری قومی زبان اردو کا یہ حال ہے کہ اسے تیسرے درجے کی زبان قرار دیا جاتا ہے، گویا ہم اب بھی اٹھارہ سو ستاون کے اُسی دور میں جی رہے ہیں جہاں مسلمانوں کے لیے نوکریاں نہیں تھیں! حالاں کہ اس سے چند ماہ قبل وہ حکمران قوم تھے۔ ہم میں اکثریت آج بھی نوکریوں کے لیے بے بس پھرتی ہے، حالاں کہ اب ہم غلام قوم نہیں، بل کہ حکمران قوم ہیں!

آخر ہم کب تک اٹھارہ سو ستاون میں جییں گے؟ آخر کب تک؟ ہم آج بھی اسی طرح معاشی ابتری کا شکار ہیں جیسے کل تھے۔ آج بھی ہم میں ایسٹ انڈیا کمپنی موجود ہے! اب بھی انگریزوں کی وہ ایسٹ انڈیا ہمارے اندر کام کر رہی ہے جو 1613ء میں، مسلم مغلیہ دورِ حکومت میں بنائی گئی تھی! ہمارے صنعتی مالیاتی اداروں پر ملٹی نیشنل کمپنیوں کو فوقیت حاصل ہے اور یہ کمپنیاں ہمارے سب سے بہترین ذہن اور صلاحیتیں کچھ زیادہ معاوضہ دے کر چھین لیتی ہیں!

انگریزوں نے ہمارے لیے جو نظامِ تعلیم بنایا تھا اُسی ڈائی پر ہم آج تک اپنی سب نسلیں ڈھال رہے ہیں۔ ہم زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہو گئے ہیں، لیکن ہم آج بھی ان کے رسم و رواج، لباس، اندازِ گفتگو، ہر چیز کی نقل کرتے ہیں اور اس نقل پر فخر بھی کرتے ہیں!

کئی نسلیں گزرنے کے بعد اَب، جب کہ ہمیں اصولاً انگریزی رہن سہن

اور لباس کی غلامی سے آزاد ہونا چاہیے تھا، بل کہ ان کے ہر نظام سے آزاد ہونا چاہیے تھا، ہم نے آج بھی ان مکّار، سازشی انگریزوں کی جڑوں کو اپنے اندر سے اُکھاڑ پھینکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، ان کی تہذیب، رہن سہن کی جڑیں اُکھاڑنے کا ہمیں خیال نہیں آیا۔''

قاسم کی اتنی بھاری بھر کم باتیں اور اُونچے خیالات سن کر بڑے بھی اپنی پلکیں جھپکانا بھول گئے تھے۔

تقریر کا وقت ختم ہو چکا تھا، مگر وہ جوش سے بولے جا رہا تھا:

اقبال نے سچ کہا تھا:

پہن کے تاج بھی ہم غیروں کے غلام رہے
فلک پہ اُڑ کے بھی شاہیں، اسیر دام رہے

ہم کب تک انگریزوں اور ہندوؤں کی غلامی اوڑھ رکھیں گے؟ ہم یہ بوجھ اُتار پھینک کیوں نہیں دیتے؟ غلامی کی زنجیریں توڑ کیوں نہیں ڈالتے؟ حالاں کہ ہمیں یہ جھوٹی رعب و دبدبے کی زنجیریں توڑنے کے لیے کسی لمبی جدوجہد کی ضرورت نہیں، صرف جذبے کی ضرورت ہے، جذبے کی!''

ہم یہ فیصلہ کریں کہ اب انگریز، ہندو یا کسی بھی دوسری قوم کے غلام نہیں بنیں گے۔ ہم کسی انسان کے غلام نہیں بنیں گے، ہم کسی نظریے اور سوچ کے غلام نہیں بنیں گے، اس لیے کہ اللہ نے ہمیں صرف اور صرف اپنا غلام پیدا کیا ہے!

قائد اعظمؒ نے اکتوبر ۱۹۴۷ء کراچی میں ایک موقع پر اِس بات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

''ہماری اپنی ہی ایک مملکت ہو، جس میں ہم آزاد انسانوں کی حیثیت سے جییں اور زندگی بسر کریں۔''

(قائد اعظم کے افکار: ۲۳)

ایک موقع پر فرمایا:

''ہم کوئی ایسا نظام حکومت قبول نہیں کر سکتے جس کی رُو سے ایک غیر مسلم اکثریت محض تعداد کے بَل بوتے پر ہم مسلمانوں پر حکومت کرے اور ہمیں اپنا فرماں بردار بنالے۔

(قائد اعظم کے افکار: ۳۵)

ایک موقع پر مارچ ۱۹۳۹ء میں قائد اعظمؒ نے فرمایا:

''تم دونوں (ہندو اور انگریز) متحد ہو کر بھی ہماری روح کو فنا کرنے میں کبھی کامیاب نہ ہو سکو گے، تم اس تہذیب کو کبھی مٹا نہ سکو گے جو ہمیں ورثے میں ملی ہے۔ ہمارا نورِ ایمان زندہ ہے، ہمیشہ زندہ رہا ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔

(قائد اعظم کے افکار: ۳۴)

جس دن ہمارے ذہن اور دِل کا دروازہ کھل جائے گا اور ہم غلامی کی زنجیریں توڑ پھینکیں گے وہ دن ہماری نسلوں کی غلامی کا آخری دن ثابت ہوگا اور اُسی دن حقیقی معنوں میں ہماری آزادی کا سورج طلوع ہوگا۔''

قاسم کی آواز بھرّا گئی تھی۔ ہال میں ماشاء اللہ اور سبحان اللہ کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

آنکھوں کی موم شمعیں جل جل کر پگھل رہی تھیں اور آزادی کا سورج طلوع ہونے کی نوید سُنا رہی تھیں۔

(ختم شد)

سوال آدھا جواب آدھا ۲۷

الطاف حسین۔ کراچی

اس کھیل میں چند جملے ہیں، ہر جملہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں کچھ معلومات دی گئی ہیں، جب کہ دوسرے حصے میں اسی طرح کی معلومات آپ سے پوچھی گئی ہیں۔ آپ مطلوبہ معلومات ہمیں ۳۱، دسمبر تک ارسال کر دیجیے، ہم آپ کو اس کا انعام روانہ کر دیں گے۔ ایک سے زیادہ درست جوابات موصول ہونے کی صورت میں قرعہ اندازی کے ذریعے تین قارئین کرام کو انعام سے نوازا جائے گا۔ کوپن پُر کر کے ساتھ بھیجنا نہ بھولیے گا۔

❶ قرآن مجید کی ''سورۂ یونس'' میں آیات کی تعداد 109 ہے..... بتایئے قرآن مجید کی وہ کون سی سورت ہے جو 123 آیات پر مشتمل ہے؟

❷ حضور نبی کریم ﷺ کے (سب سے پہلے) سسر کا نام حضرت خویلد تھا..... آپ یہ بتایئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سسر کا کیا نام تھا؟

❸ افغانستان کا شہر ''کابل'' خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے فتح کیا تھا..... بتایئے شام کا شہر ''دمشق'' کس مشہور صحابی رضی اللہ عنہ نے فتح کیا تھا؟

❹ حضرت داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا اصل نام حضرت علی بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ تھا..... بتایئے حضرت بابا شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا اصل نام کیا تھا؟

❺ پاکستان میں صوبوں کی تعداد چار ہے..... کیا آپ جانتے ہیں کہ سابقہ مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) میں صوبوں کی تعداد کتنی ہے؟

❻ سری لنکا کے عوام 4 فروری کو ''یومِ آزادی'' مناتے ہیں..... آپ یہ بتایئے کہ یونان کے عوام کس تاریخ کو اپنا ''یومِ آزادی'' مناتے ہیں؟

❼ پاک فوج کا عہدہ ''لیفٹیننٹ کرنل'' پاکستان ایئر فورس کے (عہدہ) ''ونگ کمانڈر'' اور پاکستان نیوی کے (عہدہ) ''کمانڈر'' کے برابر ہوتا ہے..... بتایئے پاک فوج کا عہدہ ''کرنل''، پاکستان ایئر فورس اور پاکستان نیوی کے کس عہدے کے برابر تسلیم کیا جاتا ہے؟

❽ سیارہ عطارد، سورج سے 3 کروڑ 60 لاکھ میل دور ہے..... بتایئے سیارہ زُہرہ، سورج سے کتنے میل دور ہے؟

❾ قدیم تہذیبوں کے مطالعے کا علم ''آثارِ قدیمہ (Archaeology)'' کہلاتا ہے..... بتایئے زمین اور زیرِ زمین پائی جانے والی اشیا کے مطالعے کے علم کو کیا کہتے ہیں؟

❿ ''جیسے کو تیسا'' اردو زبان کا ایک مشہور محاورہ ہے، جس کا مطلب ہے: ''بُرے آدمی کو بُرا آدمی ہی ملتا ہے''..... بتایئے ''جیسی نیت ویسی مراد'' کا کیا مطلب ہے؟

ماسی ملوکی

بینا رانی۔ کراچی

''میں بہت پریشان ہوں باجی! میرا شوہر بھٹے پر کام کیا کرتا تھا، وہ بُری طرح جھلس گیا ہے۔ بہت بُرا حال ہے اس کا، دیکھا نہیں جاتا۔ اس کے لیے دواؤں کی ضرورت ہے۔''

ہمارے گھر کام کرنے والی ماسی دکھی انداز میں بتا رہی تھی۔ اس کا نام ملوکی تھا۔

ماسی ملوکی نے ابھی کچھ دن پہلے ہی ہمارے گھر کام کرنا شروع کیا تھا۔ اس کی رُوداد سُن کر ہمارے گھر کا ہر فرد ہی دکھی ہوگیا تھا۔

''غریبی اور مجبوری بھی کیا چیز ہے!؟'' ہم سوچ رہے تھے۔ ہم سے جتنا ممکن ہوا اُس کی مدد کی، پھر کچھ دن کے بعد ملوکی نے بتایا کہ اس کے بیٹے کو کتے نے کاٹ لیا ہے۔

''بہت بُری طرح کاٹا ہے باجی! کم بخت نے۔ بہت زخمی ہے میرا بیٹا، کل انجکشن بھی لگوائے ہیں اس کے۔''

ہماری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ غریب لوگ دو وقت کی روٹی کا لوگوں کے گھروں میں کام کر کے بندوبست کرتے ہیں، اگر اُن پر کوئی مصیبت آجائے تو وہ بے چارے دوائیں خریدیں یا کھانا؟

ہم جیسے بڑے گھروں میں بیٹھ کر عیش کی زندگی گزارنے والے ان حالات کا تصور بھی کرلیں تو شاید بیمار پڑ جائیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ ہم لوگ ایسا کچھ سوچنے کی بھی ہمت نہیں کرسکتے۔

''باجی! آج مجھے جلدی گھر جانا ہے۔ میرے بیٹے کے زخموں سے خون رِس رہا ہے۔ بڑے ہسپتال لے کر گئی تھی۔ ایک روپے کی دوائی نہیں دی انھوں نے۔ ساری دوائیوں کی پرچی لکھ کر ہاتھ میں تھما دی۔

''اوہ، تم پریشان مت ہو۔ اللہ پاک خیر والا معاملہ فرمائیں گے۔ یہ کچھ پیسے ہیں، کام آئیں گے تمھارے۔''

امی نے کچھ پیسے اس کی مٹھی میں دباتے ہوئے کہا۔ وہ جلدی جلدی میں جیسی تیسی صفائی کر کے نکل گئی۔ ہم نے بھی کچھ نہ کہا کہ آخر اُس کی مجبوری ہے اور اتنی انسانیت تو کم از کم ہونی ہی چاہیے ہم میں۔ آج سارا دِن گھر میں اسی کی باتیں ہوتی رہیں۔

شام کو میرے دیور اور اُس کے دوستوں نے مل کر پروگرام بنایا کہ ان کے گھر جا کر کچھ مدد ضرور کرنی چاہیے۔

سو شام کو اُنھوں نے اس شخص سے جس نے اسے ہمارے گھر کام پر لگوایا تھا، ملوکی کے گھر کا پتا پوچھا اور اُس کے گھر چل پڑے۔ ملوکی اس وقت اپنے گھر پر موجود نہیں تھی، مگر واپس آکر میرے دیور نے وہ خبر سنائی کہ ہم انگشت بدنداں رہ گئے۔ کسی کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا، مگر جانے والے آنکھوں دیکھا حال بتا رہے تھے۔

ملوکی کا شوہر صحیح سلامت بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا اور اُس کے بچے ٹھیک ٹھاک کھیل رہے تھے۔

انھوں نے ان کے بارے میں کچھ معلومات ان کے محلے والوں سے لیں تو معلوم ہوا کہ کچھ دن پہلے ملوکی کے کسی رشتے دار کے بیٹے کو کاٹا تھا کتے نے اور کچھ دن بعد ملوکی نے وہ کہانی اپنے بیٹے کے نام سے گھڑ لی تھی۔

بہرحال، دیور صاحب بہت طیش میں آئے کہ کل صبح وہ آئے تو اُس کی خبر لی جائے۔ اگلی صبح ملوکی آئی اور اپنا کام حسبِ معمول شروع کر دیا۔

''کل ہم تمھارے گھر گئے تھے ماسی!'' میں نے بات شروع کرنے کے لیے کہا۔

بقیہ صفحہ نمبر 26 پر

حافظ محمد دانش عارفین حیرت۔ لاہور

۷۔ مغیرہ بن سعید عجلی

اس زمانے میں امام کی گورنر تو کیا، خلیفہ بھی عزت کیا کرتے تھے۔ امامت کا رتبہ بہت ہی معزز تھا۔ جب مغیرہ نے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ امام بنے گا تو اُس نے حضرت امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس زیادہ میں حاضری دینی شروع کر دی۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ ان سے فیض حاصل کرے گا اور اُن کا قریبی ہو کر امامت کا رتبہ حاصل کر لے گا۔ اس نے امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں رہتے ہوئے مجاہدے اور عبادت کثرت سے کی۔

وہ جانتا تھا کہ اگر اُس نے امامت کا دعویٰ کیا تو پھر لوگ اس کی مخالفت شروع کر دیں گے، اس لیے اس نے خوب غور کیا اور اندازہ لگایا کہ لوگوں کو کرامات دکھا کر اپنا گرویدہ بنایا جا سکتا ہے، مگر وہ تو کوئی کرامت نہیں دکھا سکتا تھا، کیوں کہ کرامات تو ولیوں سے بغیر اُن کے ارادے کے صادر ہوتی ہیں۔

مغیرہ بن سعید عجلی لوگوں کو کرامت تو نہیں دکھا سکتا تھا، البتہ سامری اور حارث کذاب دمشقی کے راستے پر چلتے ہوئے جادو، طلسمات اور سحر دِکھا کر اُنھیں کرامت کا نام دے سکتا تھا، لیکن بدقسمتی سے وہ ان میں سے کوئی بھی علم نہیں جانتا تھا۔ اب اس نے ایسی کتب کی تلاش شروع کی جن میں جادو ٹونے کی تراکیب درج تھیں۔ اس نے ان کتب کا بغور مطالعہ کیا اور اُن میں درج اعمال کو سیکھ لیا۔ اب مغیرہ بن سعید عجلی بآسانی جادو کر سکتا تھا۔

مغیرہ اب اپنے جادو کو کرامت کے نام سے ظاہر کرنا چاہتا تھا، اس لیے اس نے سادہ لوح عوام کو بے وقوف بنانا شروع کیا۔ توہّم پرست لوگ ہمیشہ ہی آسان شکار ہوا کرتے ہیں۔ یہ لوگ عام سی باتوں کو بھی مافوق الفطرت خیال کر لیتے ہیں۔

اس نے حضرت امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد خود کو امام کہلوانا شروع کر دیا۔ پہلے پہل تو لوگ اس کی باتیں سن کر بہت زیادہ حیران ہوئے، مگر پھر اُس کے شعبدے اور جادو دیکھ کر خاموش ہو گئے۔ انھوں نے ان جادو زدہ افعال کو کرامت خیال کر لیا تھا۔

اس نے چند لوگوں کو چھوٹے موٹے شعبدے دکھائے اور لوگوں میں مشہور کر دیا کہ ”میں اسمِ اعظم جانتا ہوں اور اُس کی مدد سے مرے ہوئے لوگوں کو زندہ اور لشکروں کو منظم کر سکتا ہوں۔“

مغیرہ بن سعید عجلی نے اسی پر بس نہیں کیا، بل کہ بے سروپا دعوے کرنے لگا:

”میں اگر چاہوں تو قوم عاد، قوم ثمود اور ان دونوں قوموں کے درمیان والے لوگوں کو بھی زندہ کر سکتا ہوں۔“

اس کے کسی ایسے ہی فضول دعوے کے جواب میں کسی نے فرمائش کر دی:

”اچھا تو پھر تم ہمیں ان مردوں کو زندہ کر کے دکھاؤ۔“

”ٹھیک ہے، میرے پاس فلاں قبرستان میں آ جانا۔“ مغیرہ نے مردوں کو زندہ کر کے دکھانے کے لیے اس شخص کو ایک قبرستان میں بلا لیا۔

قبرستان میں پہنچ کر مغیرہ بن سعید عجلی نے اپنی سحر انگیز آواز میں کچھ کلمات کہے تو قبروں میں سے کچھ عجیب و غریب وضع کے ایسے جانور نکلے جنھیں لوگوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ کچھ دیر تک وہ عجیب وضع کے جانور قبروں کے اوپر اُڑتے رہے، پھر مغیرہ نے دوبارہ کچھ سحر انگیز آواز میں طلسمی کلمات کہے تو وہ جانور واپس قبر میں چلے گئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ جانور اصل میں ٹڈیاں تھیں۔

کسی نے کہا:

''تم تو ہمیں یہاں روحیں دکھانے کے لیے لائے تھے؟''

مغیرہ بن سعید عجلی نے جواب دیا:

''تمھیں کیا معلوم کہ وہ روحیں نہیں تھیں۔ روحیں تو کسی بھی شکل میں آسکتی ہیں۔''

مغیرہ کا جواب سن کر لوگ خاموش ہو گئے۔

اس کے علاوہ مغیرہ بن سعید عجلی نے اپنے لوگوں کا ایک نیٹ ورک بنا رکھا تھا۔ یہ لوگ اسے کسی بھی حادثے کی خبر دے دیتے اور پھر اُس حادثے کے شکار شخص کو مغیرہ کے پاس بھیج کر مغیرہ کی کرامت اس شخص پر ظاہر کرتے۔

ایک مرتبہ ایک تاجر کو ڈاکوؤں نے لوٹ لیا۔ مغیرہ کے جاسوسوں نے اسے حادثے کی اطلاع دی اور یہ بھی بتایا کہ ہم اس تاجر کو تمھارے پاس بھیج رہے ہیں۔ مغیرہ نے اس تاجر کو اُس کی لوٹ مار کا پورا واقعہ سنا کر اُسے اپنا گرویدہ کر لیا۔

تاجر نے پوچھا:

''آپ کو یہ باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟''

مغیرہ نے جواب دیا:

''میں وہاں روحانی طور پر موجود تھا اور سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔''

تاجر نے پوچھا:

''تو پھر آپ نے میری مدد کیوں نہیں کی؟''

مغیرہ نے جواب دیا:

''میں تو وہی کرتا ہوں جس کا مجھے حکم دیا جاتا ہے۔ اللہ نے مجھے اس چیز کا حکم نہیں دیا تھا کہ تمھاری مدد کروں۔ شاید تم نے حقوق العباد میں کوتاہی کی ہے، جس کی تمھیں یہ سزا ملی ہے۔''

تاجر یہ سن کر حیرت زدہ رہ گیا۔

ایک روز محمد بن عبدالرحمن بن ابولیلیٰ کے پاس بصرہ سے ایک مہمان آئے۔ انھوں نے اپنی خادمہ کو دو درہم دے کر مچھلی لینے کے لیے بھیجا۔ اس کے بعد وہ اپنے مہمان کو لے کر کسی کام سے مغیرہ بن سعید عجلی کے پاس آئے۔ اس سے پہلے کہ یہ دونوں اس سے اپنے کام کی بات کرتے، مغیرہ نے بولنا شروع کر دیا:

''اگر تم چاہو تو میں تمھیں بتا سکتا ہوں کہ تم نے اپنی خادمہ کو کس کام سے بھیجا ہے؟''

محمد بن عبدالرحمٰن نے جواب دیا:

''نہیں مجھے مت بتاؤ، مجھے معلوم ہے۔''

مغیرہ نے پھر کہا:

''اگر تم کہو تو میں تمھیں بتا سکتا ہوں کہ تمھارے والدین نے تمھارا نام محمد کیوں رکھا ہے۔''

محمد بن عبدالرحمٰن نے جواب دیا: ''نہیں۔''

مگر مغیرہ کہاں چپ رہنے والا تھا۔ اس کے جاسوسوں نے اسے پہلے ہی اطلاع دے دی تھی کہ اس کے پاس آنے والا شخص محمد بن عبدالرحمٰن کیا کر کے اس کے پاس آیا ہے۔ وہ اپنا شعبدہ تو لازمی دکھانا چاہتا تھا، سو اُس نے پر اسرار انداز میں بتانا شروع کیا:

''تم نے اپنی ملازمہ کو دو درہم دے کر اپنے مہمان کی تواضع کرنے کے لیے مچھلی لانے بھیجا ہے۔''

محمد بن عبدالرحمٰن نے جب دیکھا کہ یہ شخص اپنی چالاکیوں سے ان کا وقت ضائع کر رہا ہے اور کام کی بات نہیں کر رہا تو وہ اپنے مہمان کو لے کر وہاں سے واپس آ گئے۔

مغیرہ اب اپنے آپ کو اِمام کہلواتا تھا۔ اس کے امام کہلوانے کی خبریں رفتہ رفتہ خالد بن عبداللہ قسریٰ تک بھی پہنچ گئیں۔ خالد بن عبداللہ قسریٰ نے خبر لانے والے سے کہا:

''یہ کیسے ممکن ہے کہ اہل بیت (خاتم النبین ﷺ کے خاندان) کے بزرگوں کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا شخص امامت کا دعویٰ کرے۔''

خبر دینے والے نے بتایا:

''یہ ہو چکا ہے۔''

خالد نے پوچھا:

''اس نے یہ کس طرح کیا؟''

انھیں بتایا گیا کہ اس نے پہلے پہل تو اِمامت کو اہل بیت کے خاندان میں ہی رکھا، لیکن پھر رفتہ رفتہ انھیں امامت سے ہٹا کر خود کو اِمام کہلوانا شروع کر دیا ہے۔

کچھ دن بعد خالد بن عبداللہ قسریٰ کو خلیفہ کا پیغام ملا:

’’تمھارا آزاد کردہ غلام، مغیرہ بن سعید عجلی ایک جھوٹا امام بن بیٹھا ہے۔ تم اس کے فتنے کا سدِّ باب کرو۔‘‘

خالد بن عبداللہ قسری نے پہلے تو اپنے طور پر معلومات اکٹھی کیں، پھر مغیرہ بن سعید عجلی کو اپنے دربار میں طلب کرلیا۔

مغیرہ ایک آزاد شخص کی حیثیت سے پہلی بار اِس دربار میں حاضر ہو رہا تھا۔ اس سے پہلے وہ صرف اور صرف ایک غلام کی حیثیت سے ہی اس دربار میں حاضر ہوتا رہا تھا۔ اسے دربار تک چھوڑنے کے لیے ایک ہجوم اس کے ساتھ آیا تھا، یعنی مغیرہ بن سعید عجلی نے اپنے اردگرد ہجوم اکٹھا کر ہی لیا تھا۔ اس کی دونوں خواہشیں پوری ہوگئی تھیں، آزادی حاصل کرنے کی اور دوسری اپنے گرد اِمام کی طرح ہجوم اکٹھا کرنے کی۔

مغیرہ بن سعید عجلی جب دربار میں پیش ہوا تو خالد بن عبداللہ قسری نے اس سے سوال کیا:

’’مغیرہ! یہ تم نے کیا چکر چلایا ہے؟‘‘

مغیرہ نے سر جھکا کر پوچھا:

’’کون سا چکر، میں سمجھا نہیں۔‘‘

خالد بن عبداللہ قسری نے کہا:

’’میں نے یہ سنا ہے کہ تم نے امام ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ تم کچھ ہی عرصے پہلے ایک غلام تھے۔ یہ تم نے ایک دم سے کیسی قلابازی کھائی ہے۔‘‘

مغیرہ بن سعید عجلی نے جواب دیا:

’’میں تو کسی سے نہیں کہتا کہ مجھے امام کہیں۔ لوگ خود ہی مجھے امام کہتے ہیں تو اِس میں بھلا میرا کیا قصور ہے!؟‘‘

خالد عبداللہ قسری نے دوبارہ پوچھا:

’’تم لوگوں کو کرامات بھی دکھاتے پھرتے ہو۔ یہ سب کیا ہے؟ میں نے تو تمھیں علم حاصل کرنے کے لیے آزاد کیا تھا اور تم فتنہ پھیلا رہے ہو۔‘‘

مغیرہ بن سعید عجلی نے جواب دیا:

’’حضور میں نے تو کبھی کسی کو نہیں کہا کہ آؤ، میں تمھیں کرامت دکھاؤں۔ لوگ خود ہی اگر میرے فعل کو دیکھ کر کرامت کہیں تو میں کیا کرسکتا ہوں۔‘‘

خالد نے اس سے مزید کچھ سوال کرکے جانے کی اجازت دے دی۔

......(جاری ہے)......

بقیہ: ماسی ملوکی

اب ہم سب سوچ رہے تھے کہ وہ چونک پڑے گی۔ اپنا پول کھلنے کی وجہ سے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی یا اس کی یہ حالت ہوگی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں، مگر ہمارے سب اندازے دھرے کے دھرے رہ گئے، ایسا کچھ نہ ہوا۔ اس نے اس انداز میں میری کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہی ہو: ’’ہاں تو پھر!؟‘‘

اس کے بعد میں نے ساری داستان سنا دی، مگر اُس کے چہرے پر کسی قسم کی گھبراہٹ یا ندامت کا احساس تک نظر نہ آیا۔ وہ مطمئن انداز میں سنتی رہی۔ بات ختم ہوئی تو اُس کے لب ہلے:

’’کام کے بارے میں کوئی شکایت ہے تو وہ بتائیں؟‘‘

ہم ہکا بکا رہ گئے اور تب ہم سمجھے کہ ایسا اس نے پہلی بار نہیں کیا۔

اب اس کی عادت بن چکی ہے اور بار بار جھوٹ بول کر عادی ہو جائیں تو پھر ندامت کا احساس بھی ختم ہو جاتا ہے۔

بعد میں میری ساس نے اسے بٹھا کر اچھی طرح سمجھایا کہ جھوٹ بولنا کبیرہ گناہ ہے اور دوسروں کو دھوکا دینا بھی۔ غریبی خود ایک مجبوری ہے۔ تمھیں پیسوں کی ضرورت تھی تو بتا دیتیں، مگر تمھیں یوں جھوٹ نہیں بولنا چاہیے تھا۔

’’سوری باجی! مجھ سے غلطی ہوگئی۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔‘‘

ملوکی کے چہرے پر اَب کچھ ندامت محسوس رہی تھی اور ہم سوچ رہے تھے کہ ملوکی کی اس حرکت پر وہ اکیلی قصوروار نہیں، بل کہ ہم بھی اس جرم میں برابر کے شریک ہیں۔

جی ہاں، جب مال دار لوگ زکوٰۃ نکالنے میں سستی کرتے ہیں تو غریب شاید ایسی حرکتوں پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

کوئی لنگڑا لولا ہونے کی اداکاری کرنے لگتا ہے تو کوئی بڑے بڑے حادثات سے دوچار ہونے کی کہانی سنانے پر مجبور کہ اس طرح شاید لوگوں کا دِل پگھلے اور وہ مدد کرنے لگیں۔

ملوکی! اب بھی ہمارے گھر میں کام کرتی ہے اور اَب بھی کبھی کبھی اپنی مجبوریاں بتاتی ہے اور ہم اچھا گمان رکھتے ہوئے یقین کرلیتے ہیں۔

سردی

ش۔م۔دانش۔پائی خیل

چند دن میں ہی آگئی سردی
پوری دنیا پہ چھاگئی سردی

تازہ پتے اُگے تھے شاخوں پر
وقت تھوڑے میں کھاگئی سردی

جھیل جاتے تھے سخت گرمی میں
ان کی قلفی جماگئی سردی

کام کے اب رہے نہ کاج کے ہم
بستروں میں دباگئی سردی

اور میسر نہ جن کو تھا بستر
ان کے تن میں سماگئی سردی

بھاری کپڑے بھی سب نے پہن لیے
کوٹ ، مفلر تھماگئی سردی

جتنے ٹھنڈے پڑے تھے آتش داں
ان سبھی کو جلاگئی سردی

میں دوبارہ بھی آؤں گی دانش
جاتے جاتے بتاگئی سردی

انگوٹھی کہاں گئی؟

انعم توصیف۔ کراچی

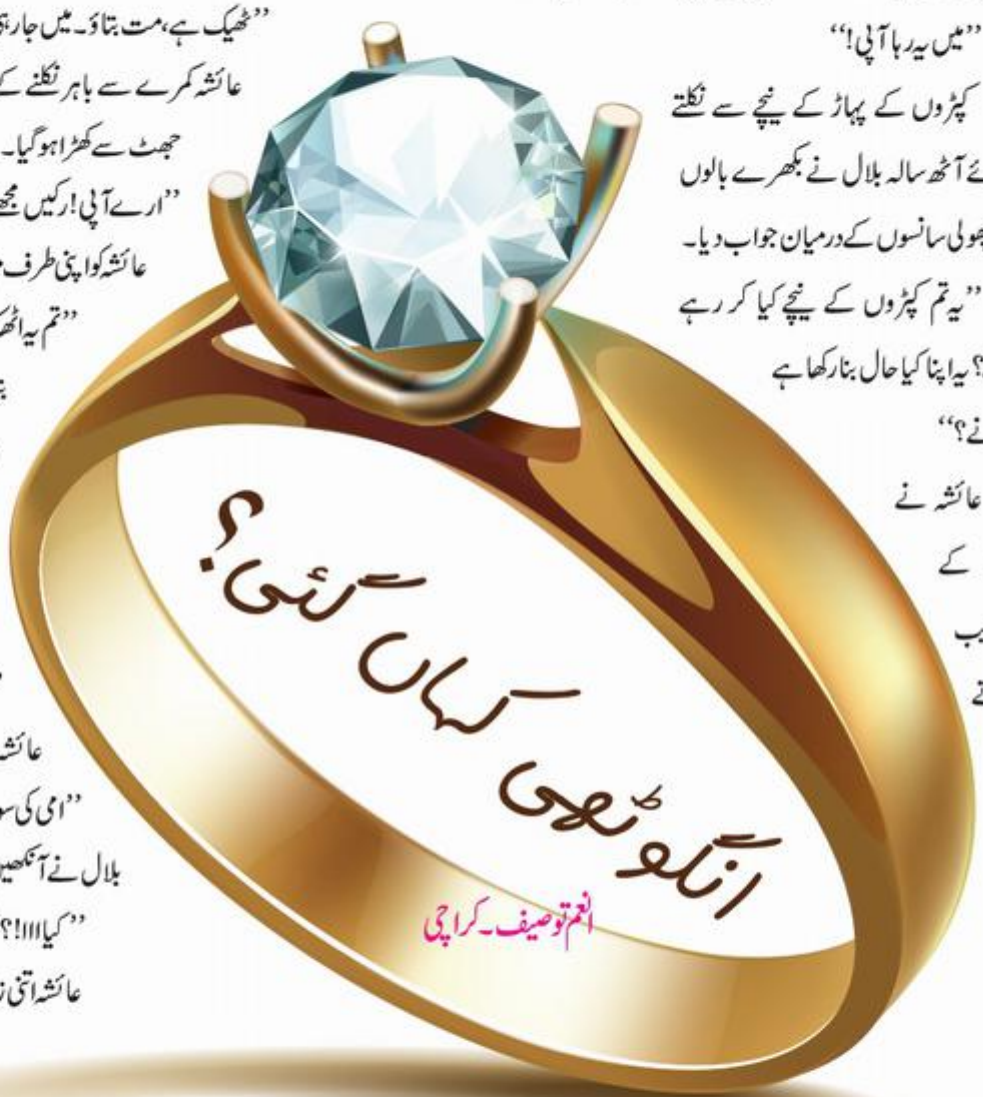

''ہائے اللہ! یہ کیا حالت بنا رکھی ہے کمرے کی۔ بلال! تم کہاں ہو؟''

گیارہ سالہ عائشہ نے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے سر پکڑتے ہوئے کہا۔ کمرے میں ہر طرف سامان بکھرا پڑا تھا۔ کپڑوں کی الماری سے تمام کپڑے باہر اس طرح پڑے تھے کہ وہ کپڑوں کا پہاڑ محسوس ہو رہے تھے۔

''میں یہ رہا آپی!''

کپڑوں کے پہاڑ کے نیچے سے نکلتے ہوئے آٹھ سالہ بلال نے بکھرے بالوں اور پھولی سانسوں کے درمیان جواب دیا۔

''یہ تم کپڑوں کے نیچے کیا کر رہے تھے؟ یہ اپنا کیا حال بنا رکھا ہے تم نے؟''

عائشہ نے اس کے قریب آتے ہوئے پُرتشویش انداز میں پوچھا۔

''آپی! مجھ سے ایک بہت بڑی غلطی ہوگئی ہے۔''

زمین سے اُٹھتے ہوئے بلال روہانسا ہوتے ہوئے بولا۔

''افففف! تم کیوں پہیلیاں بجھوا رہے ہو۔ جلدی سے بات بتاؤ۔''

عائشہ کو اُس کی حالت سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس نے پھر کوئی گڑبڑ کر دی ہے۔

''میں نے کب پہیلی بجھوائی؟ میں اس وقت پہیلی کیوں پوچھوں گا۔ اس وقت تو میں خود بہت بڑی مصیبت میں ہوں۔''

اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام کر بلال ایک بار پھر زمین پر بیٹھ گیا۔

''ٹھیک ہے، مت بتاؤ۔ میں جا رہی ہوں۔''

عائشہ کمرے سے باہر نکلنے کے لیے دروازے کی جانب مڑی تو بلال جھٹ سے کھڑا ہو گیا۔

''ارے آپی! رکیں مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔''

عائشہ کو اپنی طرف مڑتا دیکھ کر بلال پھر فرش پر بیٹھ گیا۔

''تم یہ اٹھک بیٹھک ہی کرتے رہو گے یا مسئلہ بھی بتاؤ گے؟''

عائشہ نے دونوں ہاتھ باندھ کر غصے سے سوال کیا۔

''وہ..... نا.....!'' بلال، عائشہ کی طرف دیکھ کر ہکلانے لگا۔

''بلال! بتانا ہے یا میں جاؤں؟''

عائشہ نے ایک بار پھر جانے کی دھمکی دی۔

''امی کی سونے کی انگوٹھی مجھ سے کھو گئی ہے۔''

بلال نے آنکھیں میچ کر جلدی جلدی کہا۔

''کیاااا!؟''

عائشہ اتنی زور سے چیخی کہ بلال کو خطرہ محسوس ہوا کہ اس کی آواز امی تک چلی جائے گی اور باورچی خانے میں کام کرتیں امی اگر وہاں آجاتیں تو اُس کے لیے بہت بڑا مسئلہ ہو جاتا۔ بلال جلدی سے دروازے کی طرف بڑھا اور دروازے کو بند کیا۔

''آپی! آپ تو مجھے پٹوائیں گی۔ امی نے آٹا گوندھتے ہوئے انگوٹھی اتاری تھی اور مجھے کہا تھا کہ میں ان کے کمرے میں رکھ آؤں۔ میں اپنے کمرے میں آ گیا اور رکھ کر بھول گیا۔'' بلال نے سر جھکا کر ساری

بات بتائی۔

''بلال! پہلی بات تو یہ کہ جب امی نے تم سے کہا تھا کہ ان کے کمرے میں رکھ کر آؤ تو تم یہاں کیوں آئے؟ دوسری بات یہ کہ تم کر کیا رہے تھے جو اتنی قیمتی چیزیں رکھ کر بھول گئے۔'' عائشہ نے اس بار نرمی سے پوچھا۔

''آپی! وہ مجھے موبائل میں گیم کھیلنا تھا، اس لیے میں جلدی سے کمرے میں آ گیا اور انگوٹھی نہ جانے کہاں رکھ دی۔ ابھی گیم ختم ہوا تو مجھے اچانک یاد آیا۔''

بلال نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

''ابھی تو موبائل لینے کا بھی وقت نہیں تھا۔ تم نے امی سے پوچھے بغیر موبائل لیا، گیم بھی کھیلا اور انگوٹھی بھی کھو دی۔ یہ سب امی کی بات نہ سننے کی سزا ہے۔''

عائشہ نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بڑی بہن ہونے کے ناتے بردباری سے کہا، لیکن پھر بلال کی معصوم شکل دیکھ کر اُسے ترس آنے لگا۔

''آپی! ایک کام کریں؟'' بلال نے آہستہ آواز میں رازداری سے کہا۔

''کیا؟'' عائشہ نے غور سے اسے دیکھا۔

''ہم امی سے کہہ دیں گے کہ انگوٹھی کوئی جن، بھوت اٹھا کر لے گیا ہے یا پھر.....'' بلال نے آس پاس دیکھتے ہوئے کچھ سوچنا چاہا۔ اتنے میں اس کے کانوں میں اپنی پالتو بلی کی آواز آئی۔

''ہاں، ہم کہہ دیں گے کہ یہ جو شیر کی خالہ ہے نا! اس نے بھوک میں انگوٹھی کھالی ہے۔''

عائشہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بلال کو دیکھنے لگی۔

''یہ تم نے اتنا سارا اا جھوٹ کیسے سوچ لیا؟'' عائشہ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے سے دور کرتے ہوئے کہا۔

''تو پھر میں کیا کروں آپی!؟ کب سے تو ڈھونڈ رہا ہوں۔'' بلال نے کہا۔

''میں تمھاری مدد کر سکتی ہوں، لیکن تمھیں پہلے مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہوگا۔''

عائشہ نے کہا تو بلال کی آنکھیں جگ مگا اٹھیں۔

''جو آپ کہیں گی میں وہ کروں گا، بس آپ میری مدد کر دیں۔''

''سب سے پہلے تم ایک حدیث مبارک سنو:

''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بلاشبہ سچ آدمی کو نیکی کی طرف بلاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور ایک شخص سچ بولتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ صدیق کا لقب اور مرتبہ حاصل کر لیتا ہے، اور بلاشبہ جھوٹ بُرائی کی طرف لے جاتا ہے اور بُرائی جہنم کی طرف لے جاتی ہے اور ایک شخص جھوٹ بولتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے یہاں جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔'' (صحیح بخاری)

حدیث مبارک کا مفہوم سنتے ہی بلال کے چہرے کی رنگت بدلنے لگی۔

''میں تو جھوٹ نہیں بولتا، وہ تو بس آج ڈر کے مارے..... اچھا میں وعدہ کرتا ہوں کہ.....''

بلال نے صفائی پیش کرنا چاہی اور ساتھ ہی وعدہ بھی کرنے لگا۔

''صبر، جو میں کہوں وہ وعدہ کرو، اپنی طرف سے مت بولو۔'' عائشہ نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے اسے ٹوکا۔

''وعدہ تم یہ کرو کہ کبھی بھی کوئی بھی غلطی ہو جائے امی سے جھوٹ بولنے کے بارے میں سوچو گے بھی نہیں۔ امی تو ہماری سب سے اچھی دوست ہوتی ہیں، وہ تو ہماری مدد کرتی ہیں۔ اب میں تمھیں ایک جگہ لے کر جا رہی ہوں۔''

عائشہ نے بلال کا ہاتھ تھاما اور کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے اسے باہر لے جانے لگی۔

''یہ آپ کہاں لے کر جا رہی ہیں آپی!؟''

بلال نے عائشہ کو سیڑھیوں سے اتر کر باورچی خانے کی جانب جاتا دیکھا تو وہ دبی دبی آواز میں احتجاج کرنے لگا۔

''یہ آپ میری مدد کر رہی ہیں یا پھر.....'' بلال کے چیخنے سے بھی عائشہ پر کوئی فرق نہ پڑا اور وہ بلال کو لے کر باورچی خانے میں داخل ہو گئی۔

''کیا ہوا بچو!؟''

امی نے ان دونوں کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ عائشہ نے آگے بڑھ کر ساری بات امی کو بتائی۔ بلال سر جھکائے کھڑا رہا۔

''اب تو بس امی مجھے ماریں گی۔''

بلال کے ذہن میں یہ خیال گردش کر رہا تھا۔ عائشہ کی پوری بات سن کر امی قریب آئیں تو بلال نے ڈر کے مارے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیے۔

''بیٹا! آئیں مل کر انگوٹھی ڈھونڈتے ہیں۔''

امی، بلال کا ہاتھ تھام کر کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔

''امی نے مجھے نہیں مارا!'' بلال نے دل ہی دل میں سوچا اور امی کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

''میں یہاں ڈھونڈتی ہوں۔ عائشہ! آپ وہاں ڈھونڈو۔''

میز کی جانب بڑھتے ہوئے امی نے کہا اور عائشہ کو الماری کی طرف

ڈھونڈنے کا کہا۔

’’امی! میں کہاں ڈھونڈوں؟‘‘ بلال نے آہستہ آواز میں شرمندگی سے پوچھا۔

’’بیٹا! آپ ایسا کرو، درود شریف پڑھو۔ اگر ہم کچھ بھول جائیں جیسے آپ انگوٹھی رکھ کر بھول گئے تو ان شاء اللہ درود شریف پڑھنے کی برکت سے آپ کو یاد آجائے گا۔‘‘ امی نے نرمی سے کہا۔

امی اور عائشہ کمرے میں انگوٹھی ڈھونڈنے لگیں۔ انھیں ڈھونڈتے ہوئے پانچ منٹ گزر گئے۔

’’اللہ! مجھے یاد آگیا۔‘‘ کرسی پر بیٹھا ہوا بلال اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

’’کہاں؟ کہاں رکھی تھی؟‘‘ عائشہ نے جلدی سے پوچھا۔ امی بھی اس کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

’’یہاں۔‘‘ بلال نے اپنی قمیص کی جیب میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو انگوٹھی اس کے ہاتھ میں تھی۔

’’افففف!‘‘ عائشہ نے غصے سے اسے گھورا۔

’’الحمدللہ!‘‘ امی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

’’امی! مجھے معاف کردیں۔‘‘ بلال نے امی کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

’’بیٹا! اپنے والدین سے کبھی کوئی بات نہیں چھپانی چاہیے۔‘‘ امی نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

’’امی! میں اسے آپ کے پاس نہ لاتی تو یہ تو بس کمرے کا مزید حشر خراب کر دیتا!‘‘ عائشہ نے امی کے پاس بڑھتے ہوئے منہ بنا کر کہا۔

’’اب آپ ہی دونوں سمیٹیں گے نا کمرا!؟‘‘ امی نے کہا۔

’’لیکن میں نے تو یہ سب نہیں پھیلایا، پھر میں کیوں سمیٹوں؟‘‘ عائشہ نے بلال کو چڑاتے ہوئے کہا۔

’’اچھی والی آپی! پلیز میری مدد کر دیجیے نا! اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔‘‘ بلال نے معصومیت سے کہا تو سب ہنس پڑے۔

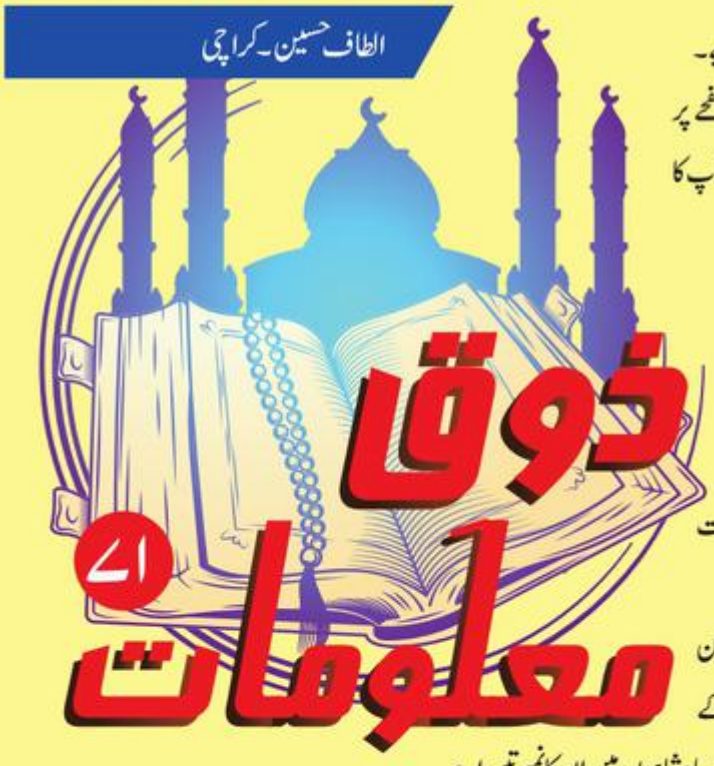

الطاف حسین۔ کراچی

ذوق معلومات ۱۷

یہ کُل پانچ اشارات ہیں۔ آپ ان کی مدد سے درست جواب تک پہنچنے کی کوشش کیجیے۔ اگر آپ ان اشارات کے ذریعے جواب تک پہنچ جائیں تو بُوجھا گیا جواب آخری صفحے پر موجود کوپن کے ساتھ ہمیں ارسال کر دیجیے اور اپنی معلومات کا انعام ہم سے پائیے۔ آپ کا جواب ۳۱، دسمبر تک ہمیں پہنچ جانا چاہیے۔

یہ کون ہیں؟

۱ یہ پاکستان کے صوبہ سندھ کے ایک مقام ’’عمر کوٹ‘‘ میں پیدا ہوئے۔ سن ولادت 1542ء ہے۔

۲ ان کے والد نے پندرہ سال بعد (1555ء میں) دوبارہ دہلی کے تخت پر قبضہ کیا، لیکن کچھ ہی دنوں بعد اُن کا انتقال ہو گیا اور انھیں کم سنی میں ہی تخت پر بٹھا دیا گیا۔ ان کے استاد بیرم خان نے حکومت کے انتظام میں ان کی بھرپور راہ نمائی کی۔ اپنے خاندان کے بادشاہوں میں ان کا نمبر تیسرا ہے۔

۳ 1576ء میں شمالی ہند کے علاقے ان کی سلطنت کا حصہ بن گئے۔ 1595ء تک کشمیر، سندھ، بلوچستان، قندھار اور اُڑیسہ بھی ان کے زیرِ نگین آ گئے۔

۴ ان کی سلطنت کوہ ہندوکش سے گوداوری اور بنگال سے گجرات تک پھیلی ہوئی تھی۔

۵ ان کا انتقال 1605ء میں ۶۳ سال کی عمر میں ہوا۔

دار چینی

سعد علی چھیپا۔ کراچی

دار چینی کا شمار دنیا بھر میں استعمال ہونے والے معروف ترین مسالا جات میں ہوتا ہے۔ یہ ایک خاص درخت کی چھال ہے جو کہ سب سے زیادہ پاکستان، بھارت، سری لنکا، چین اور افریقہ کے مختلف حصوں میں پائی جاتی ہے۔ دار چینی ادویات میں بھی استعمال کی جاتی ہے۔ زمانہ قدیم میں عرب کے لوگ اس کی تجارت کرتے تھے۔

دار چینی کا مزاج گرم اور خشک ہے، جب کہ کھانوں کو لذیذ بنانے میں اس کا کوئی ثانی نہیں۔ جس کھانے میں دار چینی استعمال کی جائے وہ نہ صرف ذائقے دار، بل کہ خوش بودار بھی ہوجاتا ہے۔

ہمارے جسم میں مضر اَجزا وافر مقدار میں موجود ہوتے ہیں، جن کے خلاف جدوجہد کرنے کے لیے ہمیں اینٹی آکسیڈنٹس کی ضرورت ہوتی ہے۔ دار چینی ایسے اینٹی آکسیڈنٹس سے بھرپور ہوتی ہے جو ہمارے لیے فائدہ مند ہوتے ہیں۔

دار چینی کے دیگر فوائد:

☆ دار چینی فائبر سے بھرپور بھی ہوتی ہے، جس کے ہر سو گرام میں تقریباً ۵۳.۳ گرام فائبر ہوتا ہے۔

☆ داری چینی میں آئرن اور کیلشیم بھی پایا جاتا ہے۔

☆ دار چینی کا استعمال آپ کے بلڈ پریشر کو قابو میں رکھتا ہے۔

☆ دار چینی ہمارے خون میں موجود شوگر کو قابو میں رکھتی ہے، اس لیے دار چینی، ذیابطیس کا ایک مؤثر علاج ہے۔

☆ دار چینی کا استعمال ہاضمے کے لیے بھی بہترین ہے۔ خصوصاً آنتوں کی صفائی اور اِنہضام کے عمل کو تیز کرنے میں یہ اہم کردار اَدا کرتی ہے۔

☆ دار چینی دماغ کو بھی صحت بخشتی ہے۔ دار چینی کے اجزا دماغ کو نقصان دہ کیمیکلز کے اثرات سے بچاتے ہیں اور دماغی امراض اور یادداشت کھونے جیسے مسائل سے محفوظ رکھتے ہیں۔

☆ دار چینی صحت مند ہڈیوں کا بھی ایک اہم سبب ہے۔ اس کا استعمال ہڈیوں کی بیماریوں کو دُور رکھتا ہے اور بڑھاپے میں بھی ہڈیاں کم زور نہیں ہوتیں۔

☆ دار چینی میں تیل اور نامیاتی مرکبات شامل ہوتے ہیں جو ہمارے دماغ کو تر و تازہ رکھتے ہیں۔

☆ دار چینی دل کی بیماریوں سمیت مختلف دائمی بیماریوں سے بھی نجات دلاتی ہے۔

☆ دار چینی، نزلہ، زکام کو نہ صرف کنٹرول کرتی ہے، بل کہ سردی کی شدت میں بھی کمی لاتی ہے۔ اس میں خاص بات یہ ہے کہ یہ تیز بخار کو بھی ختم کرتی ہے۔

تمام قارئین کرام سے مؤدبانہ عرض ہے کہ کسی بھی سبزی کے فوائد پڑھ کر اسے زیادہ نہ کھائیں، بل کہ اس کا استعمال اعتدال سے کریں اور اگر آپ کو کوئی خاص بیماری ہے تو اپنے ڈاکٹر سے مشورہ کرکے کوئی بھی غذا استعمال کریں۔

احتیاط:

اگر چہ دار چینی متعدد طبی فوائد کی حامل ہے، تاہم اس کا زیادہ استعمال کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ اس میں موجود ایک کیمیکل ''کومیارینز'' کی زیادہ مقدار جگر کو نقصان پہنچانے کا باعث بن سکتی ہے، البتہ اگر اس کا معتدل استعمال کیا جائے تو یہ بہت فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔

وہ بے بسی سے اس جگہ کو تکے جا رہا تھا جہاں اس کی جنت، اس کا گھر تھا۔ الفاظ تھے اور نہ ہی کوئی ایسا طریقہ کہ جس سے اس کے درد کا درماں ہو سکے۔

کتنے دنوں سے وہ اپنے ہاسٹل سے واپس اپنے گھر آنے کی کوشش میں تھا، مگر حالات کی خرابی کے باعث شہر کے داخلی راستے بند کر دیے گئے تھے۔ تین دن سے گھر والوں سے کوئی رابطہ نہ ہو سکا تو وہ دیوانہ وار نکل کھڑا ہوا اور آج کئی دنوں کی تگ و دو کے بعد کچھ امن ہونے پر وہ اپنے شہر میں داخل ہو سکا، لیکن جب وہ اپنے گھر کے سامنے پہنچا تو اُسے قدموں تلے زمین نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''کب تک؟ آخر کب تک؟''

اس کی زبان سے فقط اتنا ہی نکل سکا۔

اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور وہ بیٹھتا چلا گیا۔

.....☆.....

آج صبح سے موسم خوش گوار تھا۔ بادلوں نے اس خوب صورت سے شہر ''غزہ'' کو اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ ہر تھوڑی دیر بعد ابرِ رحمت برسنے لگتا تو یوں محسوس ہوتا کہ جیسے کائنات کی ہر شے خوشی سے سرشار اپنے رب کی حمد و ثنا بیان کرنے میں محو ہو۔ موسم کی اٹکھیلیاں دیکھ کر اُس کے بابا اور اماں، ان دونوں بہن بھائی کو قریبی پارک میں لے گئے۔ اماں بابا بینچ پر بیٹھ گئے اور وہ دونوں کھیلنے میں مگن ہو گئے اور دوڑ لگانے کی ٹھانی۔ ہر مرتبہ اس کی بہن حبیبہ دوڑتے ہوئے اس سے پہلے اماں بابا تک پہنچ جاتی اور وہ پیچھے رہ جاتا۔

''اخی! تم تو اکیلے رہ جاتے ہو۔ میں تو اماں بابا کے پاس جلدی پہنچ جاتی ہوں۔''

حبیبہ کھلکھلاتی اور وہ رونی صورت بنا کر وہیں رک جاتا۔

بچپن کی ایک یاد نے اسے پھوٹ پھوٹ کر رونے پر مجبور کر دیا۔

''آہ! پیاری بہن حبیبہ! آج بھی تم جیت گئیں اور میں اکیلا رہ گیا۔''

وہ آنسوؤں کی برسات میں بولا۔

اماں بابا اور اُس کی پیاری بہن بمباری میں شہید ہو گئے۔ اس کا چھوٹا سا گھرانا ختم ہو گیا۔ اس کے لیے ہر دم دعائیں کرنے والے وجود گھر کے ملبے تلے مدفون تھے۔ اس کی نٹ کھٹ اور اُس سے بے پناہ محبت کرنے والی اس کی بہن حبیبہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئی تھی۔

مگر وہ تو سلامت تھا نا!

اس نے کچھ سوچ کر اپنے آنسو پونچھے، اپنے بکھرے حوصلے کو سمیٹنے کی کوشش کی اور ایک نئے عزم کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔

ہاں، اسے اب دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے اور اپنے وطن کی آزادی کے لیے جینا تھا۔

عزم

ام نسیبہ۔ کراچی

اس نے عہد کیا کہ وہ اس پاک خطے سے یہود کے ناپاک تسلط کو ہٹانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا، چاہے اس مشن کی خاطر اُس کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔

وہ بہادر لڑکا سنبھل کر ایک سمت چل پڑا، اِس عزم کے ساتھ کہ زندگی کی آخری سانس تک سرزمینِ انبیا، یعنی فلسطین کی حرمت اور آزادی کے لیے اپنا سب کچھ لٹانے سے پیچھے نہیں ہٹے گا۔

یہی عزم ہی تو ہے جو اسلحے اور دیگر دشمنوں کی پشت پناہی کے باوجود آج تک یہود کے مکر و فریب کو ناکام کر رہا ہے۔

دیواریں چھوٹی ہیں

محمد حذیفہ رفیق زم زمی۔ کراچی

شاہی ڈاک کے گھوڑے مصر کے شہر ''جیزہ'' میں حسبِ ضرورت قیام کے بعد اَب اپنی منزل کی طرف کُوچ کرنے کی تیاریاں کرچکے تھے۔ دارالحکومت دمشق کی طرف جانے والے اس مختصر قافلے کے سپاہی اپنا اسلحہ باندھ چکے تھے، گھوڑوں پر زینیں کس دی گئی تھیں۔ قافلہ چلنے کو ہی تھا کہ دور سے ایک سیاہ فام عورت نے انھیں رُکنے کا اشارہ کیا اور پھر تیز قدموں سے چلتی ہوئی ان کی طرف بڑھنے لگی۔ یہ ایک عرب قبیلے کی آزاد کردہ باندی تھی۔

سرکاری ڈاک کے گھوڑے رُک چکے تھے۔ شہر کے مضافات کی کچی اور غریب آبادی میں رہنے والی ایک سیاہ فام عورت کے اشارے پر سرکاری ڈاک کے گھوڑوں کا رُک جانا کسی کرامت سے کم نہیں تھا، لیکن یہ کرامت ایک نیک شخص کی تھی، جسے عمر بن عبدالعزیز (رحمۃ اللہ علیہ) کہتے ہیں۔

امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی تاکید تھی کہ سرکاری ڈاک کے گھوڑوں کو کوئی بھی شخص خط دینا چاہے تو خلیفہ کے نام خط دے سکتا ہے۔

غریب امیر، مرد عورت، جوان بوڑھا، سفید سیاہ، آزاد غلام، ہر شخص کو اس بات کو اختیار تھا کہ وہ سرکاری ڈاک کے گھوڑوں کو اپنا خط دے سکتا ہے، جو کہ سیدھا خلیفہ وقت، پچاس لاکھ مربع میل رقبے پر خلافت کرنے والے امیر المومنین کے ہاتھ میں پہنچتا تھا اور سرکاری ڈاک لانے اور لے جانے والوں کو اِنتہائی سخت تاکید تھی کہ راستے میں آتے یا جاتے ہوئے کوئی بھی اپنی شکایت امیر المومنین تک پہنچانا چاہے تو اُسے پوری حفاظت اور اَمانت سے امیر المومنین تک پہنچانا ان کی ذمے داری ہے۔

لہٰذا ڈاک کے سوار کو آتے جاتے کوئی بھی شخص چاہتا امیر المومنین کے نام اپنا خط دے دیتا تھا اور وہ خط امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچا دیا جاتا تھا۔

اسی طرح اس سیاہ فام عورت نے اپنا خط ڈاک کے قافلے کے سپاہیوں کو تھما دیا۔

تاہم وہ کش مکش میں تھی کہ پتا نہیں میرا خط دارالحکومت دمشق تک پہنچ بھی سکے گا یا نہیں اور پھر امیر المومنین تک پہنچے گا بھی یا اس سے پہلے ہی کوئی خادم، وزیر اُسے پڑھ کر سمجھے گا کہ کسی بے وقوف عورت نے لکھا ہے اور اُسے پھاڑ کر اس کے پرزے ہوا میں بکھیر دے گا اور اگر یہ تمام خدشات غلط ثابت ہوگئے اور کسی طرح وہ امیر المومنین تک پہنچ بھی گیا تب بھی نجانے امیر المومنین اسے اہمیت دے پائیں گے یا نہیں۔

یہ تمام باتیں اس کے دل و دماغ میں گردش کر رہی تھیں۔ انھی خیالات کی سوچ میں اس کے دن رات کٹ رہے تھے کہ اسی دوران میں سرکاری ڈاک دارالخلافت دمشق پہنچ گئی۔

امیر المومنین کے پاس خط پہنچا۔ خط لکھنے والی عورت کا نام تھا: ''فرتونہ''، اسی خط کی وجہ سے اس کا نام تاریخ میں باقی رہا اور آج تک موجود ہے۔

اس نے خط میں لکھا تھا کہ میرے گھر کی دیواریں چھوٹی ہیں۔ کوئی بھی آسانی سے انھیں پھلانگ کر آسکتا ہے۔ اکثر میری مرغیاں غائب ہوجاتی ہیں۔ درخواست یہ ہے کہ میرے گھر کی مضبوط اونچی دیواریں بنادی جائیں۔

اس کے جواب میں امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز نے دو خط لکھے۔ پہلا خط اس عورت کو لکھا، جس کا مضمون یہ ہے:

''بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ خط ہے اللہ کے بندے امیر المومنین کی طرف سے ''فرتونہ'' کے نام:

مجھے آپ کا خط ملا، جس میں آپ نے لکھا ہے کہ آپ کے گھر کی دیواریں چھوٹی ہیں اور اُن میں بآسانی کوئی بھی آسکتا ہے، اس طرح آپ کی مرغیاں غائب ہوجاتی ہیں۔ میں نے آپ کے مسئلے کے حل کے لیے

مصر کے گورنر ایوب بن شرحبیل کو خط لکھ دیا ہے۔ میں نے اسے حکم دیا ہے کہ وہ آپ کے گھر کی دیواروں کو محفوظ بنا دے، جس سے آپ کا خوف اور خطرہ دور ہو جائے گا، ان شاء اللہ،

والسلام''

دوسرا خط امیر المومنین عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے گورنر ایوب بن شرحبیل کو لکھا:

''یہ خط ہے اللہ کے بندے امیر المومنین کی طرف سے ابن شرحبیل کے نام:

ذو اصبح قبیلے کی آزاد کردہ باندی ''فرتونہ'' نے مجھے خط لکھا، جس میں اس نے بتایا ہے کہ اس کے گھر کی دیواریں چھوٹی ہیں، اس کی مرغیاں کوئی لے جاتا ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ اس کے گھر کو محفوظ بنا دیا جائے۔

جیسے ہی تمھیں میرا یہ خط موصول ہو تم خود سوار ہو کر اُس کے گھر جاؤ اور اُس کے گھر کی حفاظت کا مکمل انتظام کرو۔''

قاصد دِمشق سے خط لے کر روانہ ہوا اور مصر پہنچ کر گورنر مصر ایوب بن شرحبیل کو خط دیا۔ خط پڑھ کر ایوب بن شرحبیل کو کوئی تعجب نہ ہوا کہ وہ بھی آخر عمر بن عبد العزیز کے گورنر تھے۔

عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ مردم شناس آدمی تھے۔ انھوں نے چن چن کر ایسے لوگوں کو اِقتدار پر بٹھایا تھا جو منصب کو اِمتحان سمجھتے تھے اور اِس کے متعلق اللہ تعالیٰ کے حساب کو یاد رکھتے تھے۔ مؤرخین نے ایوب بن شرحبیل کو بھی نیک گورنروں میں شمار کیا ہے۔

ایوب بن شرحبیل فوراً اپنے چند محافظوں کے ساتھ اونٹوں پر سوار ہوئے اور شہر ''جیزہ'' کے مضافات کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ شاید صحرائی علاقے کا سفر تھا، اس لیے اونٹوں پر سوار ہو کر گئے تھے۔

''جیزہ'' شہر پہنچ کر لوگوں سے معلومات حاصل کیں۔ کچھ دیر بعد ''فرتونہ'' کا گھر تلاش کرنے میں کام یاب ہو گئے اور اُس سیاہ فام عورت کو بتایا کہ امیر المومنین نے انھیں خط لکھا ہے، جس میں انھوں نے یہ حکم دیا ہے کہ میں خود آپ کے پاس آ کر آپ کے گھر کی حفاظت کا انتظام کروں۔

یہ سن کر اُس عورت کی آنکھیں اُمڈ آئیں اور اُس کی نظریں آسمان کی طرف اُٹھ گئیں۔ زبان گنگ ہو گئی تھی کہ اشکوں نے اس کی گویائی کو معطل کر دیا تھا، لیکن یہ منظر دیکھنے والا ہر شخص یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس سیاہ فام عورت کی اُس وقت کی دعاؤں میں ایسی طاقت ہے جس سے زمین و آسمان کے نظام میں انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔

یقیناً ان دعاؤں نے عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کو دنیا و آخرت کی مزید ترقیاں اور عزتیں عطا فرمائیں اور بالآخر اُنھیں ایسا مرتبہ ملا کہ دشمن بھی ان کے ثنا خواں تھے اور آپ نے ایسی مثالیں قائم کیں کہ آپ کے بعد والے اس سے عاجز ہیں۔ قیامت تک آنے والی انسانیت، بالخصوص مسلمان آپ کی زندگی سے نصیحت حاصل کرتے رہیں گے۔ آخرت میں آپ کے مرتبے کا حقیقی علم تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، لیکن آثار یہ بتاتے ہیں کہ جس طرح دنیا میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو سُرخ رو فرمایا اسی طرح آخرت میں بھی آپ کے لیے بڑے اونچے درجات تیار کر رکھے ہیں۔

بہر حال، ایوب بن شرحبیل نے اسی وقت اپنے سامنے اس کے گھر کی مرمت کروائی اور اُسے محفوظ بنایا اور اُس عورت کی دعائیں لے کر اپنے محافظین سمیت وہاں سے رخصت ہوئے۔

(ماخوذ از: سیرۃ عمر بن عبد العزیز لابن عبد الحکم: 62، 63، عالم الکتب)

سوال آدھا، جواب آدھا ۲۵ کے درست جوابات

❶ سورۂ یٰسٓ۔

❷ یہ بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب ہے۔

❸ خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں۔

❹ 583ء۔

❺ 60۔

❻ پاکستان اور بھارت کے درمیان 3، جولائی 1972ء کو شملہ (بھارت) میں۔

❼ وینس۔

❽ مرکری (Mercury)۔

❾ یہ آلہ قوتِ سماعت کو بہتر بنانے کے کام آتا ہے۔

❿ کسی پر ترس کھانے یا رحم کھانے کی وجہ سے آنکھوں میں آنسو آ جانا۔

انس کا گبلو

تنزیلہ احمد۔اوکاڑہ

کتاب پر سر جھکائے وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے رنگین تصاویر والی کتاب کے اوراق بے ڈھنگے پن سے الٹ پلٹ رہا تھا۔

”کہاں گیا؟ افففف! یہیں کسی صفحے پر تو دیکھا تھا۔“

تین برس بڑے بھائی نے کتاب پر ہاتھ رکھ کر خفگی کا اظہار کرتے ہوئے اسے روکا:

”بس کرو۔ کتاب دیکھنے کا یہ بہت غلط طریقہ ہے۔ اس طرح تو صفحے پھٹ جائیں گے۔“

وہ مزید جھنجھلا گیا:

”کیا ہے بھیا! نہیں پھٹیں گے! میں کچھ ڈھونڈ رہا ہوں۔ نصیحتوں میں اُلجھا کر میرا وقت ضائع نہ کریں۔“

گیارہ سالہ انس نے بنا کسی لحاظ کے جواب دیا۔ وہ منہ پھٹ، شرارتی اور غصے کا ذرا تیز تھا، جب کہ چودہ سالہ رمیز سمجھدار، دھیمے مزاج اور بڑے چھوٹے کی عزت کرنے والا تھا۔

”ہر کام کا ایک طریقہ ہوتا ہے۔ سلیقے اور طریقے سے کام کرو گے تو نہ وقت ضائع ہوگا نہ ہی جھنجھلاہٹ ہوگی۔ ویسے اگر تم کہو تو میں تمھاری مدد کرسکتا ہوں۔“

پُرسکون انداز میں کہتے ہوئے رمیز، میز کے قریب رکھی کرسی پر جا بیٹھا۔ انس جھٹ سے کتاب اٹھائے بھائی کے پاس چلا آیا اور کتاب عین بھیا کے منہ کے سامنے کی تو وہ چونک اٹھے:

”اونہہ ہوں، پھر غلط طریقہ!“

”ہیں! اب اس میں غلط کیا ہے؟“

”دوسروں کے منہ پر کتاب رکھنا، کیا یہ درست ہے؟“

”اچھا بھیا! یہ لو، اب ٹھیک ہے؟“ دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے کتاب بھائی کی گود میں رکھتے ہوئے انس نے کہا۔

”ہاں، اب بتاؤ کیا ڈھونڈنا ہے؟“

”ایک خوب صورت، گورا چٹا، برف سا سفید، گولو مولو سا......“

''اُف سیدھے سیدھے نام لو بھئی!''

''خرگوش!'' انس نے منہ بسورتے ہوئے جواب دیا۔

''آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ خرگوش صرف برف سے سفید اور گورے چٹے ہی نہیں، بل کہ بھورے اور سیاہی مائل رنگت کے بھی ہوتے ہیں۔ اور اہم بات یہ ہے کہ کسی بھی کتاب یا رسالے میں کچھ تلاشنے کا مناسب، بل کہ بہترین طریقہ یہ ہے کہ پہلے صفحے پر موجود فہرست کو دیکھا جائے۔ جس چیز کی آپ کو تلاش ہے اس کا صفحہ نمبر دیکھو اور پھر کتاب کے صفحات خراب کیے بغیر سیدھے اس صفحے تک پہنچ جاؤ۔''

رمیز نے سمجھایا تو اُنس کے منہ سے ''اوہ، اچھا!'' کی مدھم آواز نکلی۔

''اب جیسے سمجھایا ہے ویسے ڈھونڈ کر دکھاؤ۔''

انس نے آرام سے کتاب اٹھائی۔ جیسے بھائی نے سمجھایا تھا ویسے ہی دیکھا اور جھٹ سے مطلوبہ صفحے پر جا پہنچا۔

''دیکھا، کتنا آسان تھا۔ اب یہ بتاؤ کہ خرگوش کیوں تلاش رہے تھے؟''

''وہ اس لیے کہ استاد صاحب نے کہا تھا کہ اپنے پسندیدہ جانور یا پرندے پر چھوٹا سا مضمون لکھ کر لانا ہے۔ کچھ روز قبل میں نے اس کتاب میں خرگوش کی تصویر دیکھی اور اُس کے بارے پڑھا بھی تھا، چوں کہ مجھے خرگوش پسند ہیں اس لیے میں اسی پر مضمون لکھوں گا۔''

''ٹھیک ہے۔ مجھ سے کچھ پوچھنا ہے تو اَبھی پوچھ لو، پھر مجھے دادا جان کی دوائیاں لینے جانا ہے۔'' رمیز نے خوش دلی سے پیش کش کی۔

''بھیا! اس میں لکھا ہے کہ بنیادی طور پر خرگوش کی سات مختلف اقسام ہیں، جو دُنیا کے مختلف حصوں میں پائی جاتی ہیں۔ جنگلی اور گھریلو خرگوش کی پھر بہت سی اقسام ہیں۔ خرگوش کی ایک قسم جسامت میں اتنی بڑی ہوتی ہے کہ بکری کے چھوٹے بچے کے مشابہ ہوتی ہے۔ اس کے دونوں ہاتھ چھوٹے، کان لمبے اور چھوٹی سی دم روئی کے چھوٹے سے گولے جیسی ہوتی ہے۔ پچھلی ٹانگیں لمبی ہوتی ہیں اور اُن کے بل بوتے پر یہ اچھل اچھل کر چلتے ہیں۔'' اُنس نے کتاب پر نظریں دوڑاتے ہوئے بتایا۔

''ایسا کرو کہ کر کاپی پنسل پکڑو۔ میں بتاتا جاؤں گا تم لکھتے جانا۔'' رمیز کے مشورے پر اُنس نے پاس رکھی میز سے کاپی اٹھا کر گود میں رکھی اور پنسل دائیں ہاتھ میں تھام لی۔

''خرگوش دیکھنے میں بہت خوب صورت، نرم و ملائم اور بے ضرر سا جانور ہے۔ اس کی افزائش نسل بہت جلدی ہوتی ہے۔ لوگ اسے گھروں میں پالتے ہیں۔ بھلا کیوں؟ سوچ کر بتاؤ۔'' رمیز نے لکھوایا اور ساتھ ہی ساتھ سوال بھی پوچھ ڈالا۔

''اس لیے کہ وہ چھوٹا اور پیارا ہوتا ہے۔'' اُنس کے جواب پر رمیز مسکرایا۔

''خرگوش چوں کہ چھوٹی جسامت رکھنے والا گھریلو جانور ہے، اس لیے اسے رہائش کے لیے بہت کم جگہ اور خوراک کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ جنگلی گھاس، سبزیاں، اناج وغیرہ کھاتے ہیں۔ خرگوش سبز رنگ کے پتوں والے پودے اور سبزیاں کھانا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ ان کی مرغوب ترین سبزی گاجر ہے۔

کچھ خرگوش پہاڑوں میں رہتے ہیں کچھ جنگلات اور کچھ میدانوں میں بسیرا کرتے ہیں۔ اسی حساب سے ان کی غذائیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' بھیا! ان میں اور کیا مختلف ہوتا ہے؟''

''خرگوش کی قسم کے حساب سے ہی ان کی زندگی کی مدت ہوتی ہے۔ کچھ ایک سے دو سال کی زندگی پاتے ہیں تو کچھ دس سے بارہ برس تک جیتے ہیں۔

''بھیا! میں بھی خرگوش پالوں گا، بل کہ میں نے تو اُس کا نام بھی سوچ لیا ہے۔''

''کیا نام سوچا ہے؟''

''گبلو۔ ہے نا پیارا نام!'' اُنس نے خوش ہوتے ہوئے بتایا۔

''بالکل پیارا ہے! جیسے تم گول مول سے ہو ویسا ہی نام سوچا ہے، اپنے خوب صورت، گورے چٹے، برف سے سفید، گولو مولو سے گبلو کا جو خیر سے ابھی تم نے لیا ہی نہیں۔'' رمیز نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا تو وہ ہنس پڑا۔ بیٹھے بٹھائے اس کا کام ہو گیا تھا، سو موڈ بہت خوش گوار تھا۔

''لیں جی، مضمون تو مکمل ہو گیا۔ شکریہ کی کوئی ضرورت نہیں، بس اب ہمیں اجازت دیجیے۔ ما بدولت کھیلنے کے لیے جانا چاہتے ہیں۔''

کاپی بستے میں رکھ کر اُنس شرارت سے آنکھیں مٹکاتے ہوئے بولا۔

''چلے جائیے گا، اتنی بھی کیا جلدی ہے! اچھا تو چھوٹے بھائی! پہلے یہ تو بتا دیں کہ آپ کیا کہہ رہے تھے نصیحتوں میں الجھانے اور وقت ضائع کرنے کے بارے میں؟'' رمیز نے ابرو اچکاتے ہوئے اسی کے انداز میں پوچھا۔

''ارے، نہیں نہیں، بھیا! کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ اصل میں میرا مطلب تھا کہ بڑوں کی نصیحت اور مشورے کام الجھاتے نہیں، بل کہ سلجھاتے ہیں اور وقت ضائع ہونے سے بچ جاتا ہے۔''

پوری بتیسی کی نمائش کرتے ہوئے اُنس نے جواب دیا۔ اگلے ہی پل وہ کھلکھلاتے ہوئے کمرے سے باہر بھاگ گیا تھا۔

مومن شجر

حمیرا علیم۔ کوئٹہ

''ابو! کل میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ نبی ﷺ نے مومن کو ایک درخت سے تشبیہ دی ہے، مگر وہ کون سا درخت ہے اور ایسا کیوں کیا، یہ نہیں لکھا تھا۔ کیا واقعی مومن ایک درخت کی طرح ہوتا ہے؟''

گیارہ سالہ نافلہ نے اپنے والد شاہد سے پوچھا۔ اسے کتب بینی کا شوق تھا، یہی وجہ تھی کہ سب اسے کھلونے دینے کی بجائے تحفے میں کتابیں دیتے تھے۔ وہ گھر میں آنے والے تمام اخبار، رسائل اور کتب پڑھتی نہیں، بل کہ چاٹتی تھی۔ ہر نئی چیز کو پڑھ کر غور و فکر کرنا، جو چیز سمجھ نہ آئے والدین سے اس کے بارے میں معلوم کرنا اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ شاہد اور اُن کی بیگم ثوبیہ خوش تھے کہ ان کی بیٹی ایک مثبت مشغلہ اپنائے ہوئے ہے۔

''ہاں، ایسا ہی ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث ۷۰۹۸ کا مفہوم ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک دن ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے بتاؤ، وہ کون سا درخت ہے جو مسلمان کے مشابہ ہے۔ جس کے پتے نہیں جھڑتے، نہ گرمی میں نہ جاڑے میں، اور جو اپنا پھل ہر موسم میں لاتا ہے؟''

ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میرے دل میں آیا کہ کہہ دوں: وہ کھجور کا درخت ہے، لیکن میں نے دیکھا کہ مجلس میں ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہم) ہیں اور وہ خاموش ہیں تو میں بھی چپ رہا۔''

نبی ﷺ نے فرمایا: ''وہ کھجور کا درخت ہے۔'' جب آپ ﷺ وہاں سے چلے گئے تو میں نے اپنے والد عمر (رضی اللہ عنہ) سے ذکر کیا کہ مجھے اس کا جواب معلوم تھا۔ انھوں نے فرمایا: پیارے بیٹے! اگر تم یہ جواب دیتے تو یہ مجھے تمام چیزوں کے مل جانے سے بھی زیادہ محبوب تھا۔''

''لیکن ابو! مسلمان کیسے کھجور کے درخت جیسا ہو سکتا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کیوں نہ جواب دیا، جب کہ وہ جانتے بھی تھے؟'' نافلہ کے ننھے دماغ میں سوالات کی بھرمار تھی۔

''اچھا بتاؤ، اگر یہاں برآمدے میں آپ کے دادا دادی، نانا نانی، ماموں چچا، سب موجود ہوں اور آپس میں بات کر رہے ہوں اور آپ بیچ میں بول پڑو تو کیسا لگے گا؟'' ابو نے مثال کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کی۔

''بدتمیزی!'' نافلہ نے مختصر جواب دیا۔

''بس یہی وجہ تھی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خاموش رہے کہ جب ان سے بڑے موجود ہیں اور وہ خاموش رہے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کیسے بولتے۔

اب آ جاتے ہیں سوال کے دوسرے حصے کی طرف کہ مسلمان اور کھجور کا درخت ایک جیسے کیسے ہیں؟ تو پہلے ہم درخت کی خصوصیات دیکھتے ہیں، پھر اُنھیں مسلمان میں ڈھونڈیں گے۔ اس درخت کا تنا اور جڑیں مضبوط ہوتی ہیں، اس کے پتے سردی گرمی، کبھی بھی نہیں جھڑتے، یہ ہمیشہ سرسبز رہتا ہے اور یہ ہر موسم میں پھل دیتا ہے۔ بالکل اسی طرح ایک مسلمان غم ہو یا خوشی، مشکل ہو یا تنگی، ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے اپنا رابطہ مضبوط رکھتا ہے اور اُس کا ذکر کر کے اپنے دل و دماغ کو تر و تازہ رکھتا ہے۔ اس درخت کی ہر ایک چیز جان داروں کے لیے فائدہ مند ہے، حتیٰ کہ گھٹلی بھی۔ اسی طرح ایک مسلمان بھی اپنے ساتھیوں کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے۔ وہ ہر جان دار پر رحم کرتا ہے، اس کی مدد کرتا ہے۔ جب وہ خود بھلائی (قرآن و حدیث) سیکھتا ہے تو دوسروں تک بھی پہنچاتا ہے، جس کی وجہ سے دوسرے بھی برائی چھوڑ کر اچھائی کے کام کرنے لگتے ہیں۔

اس درخت کی ایک ہی جڑ سے کئی تنے بھی نکل سکتے ہیں، اسی طرح جب انسان خود نیک ہوتا ہے تو اُس کے دوست احباب، خاندان والے اور اولاد بھی نیک بنتے ہیں، گویا ایک جڑ سے کئی تنے پھلتے پھولتے ہیں۔

اس کا پھل صدیوں سے بطور مکمل خوراک استعمال ہو رہا ہے، اسی طرح ایک مسلمان بھی کھجور کی طرح دوسروں کے لیے نرم خو، میٹھا اور با اخلاق ہوتا ہے۔ دن ہو یا رات، دوسروں بھلائی پہنچانے میں سرگرم رہتا ہے۔

مسلمان کی ہر بات، ہر عادت دوسروں کو نفع ہی پہنچاتی ہے، نقصان نہیں۔ وہ جہاں جاتا ہے، جس محفل میں شریک ہوتا ہے وہاں نیکی پھیلاتا ہے۔

یہ ہیں وہ خصوصیات جو کھجور کے درخت اور مسلمان میں مشترک ہیں۔ آیا کچھ سمجھ میں؟''

''یہ تو واقعی مومن شجر ہے۔ میں بھی کوشش کروں گی کہ کھجور کے درخت کی طرح دوسروں کے لیے فائدہ مند بنوں۔''

نافلہ نے عزم کیا تو شاہد اور ثوبیہ نے مسکراتے ہوئے ان شاء اللہ کہا۔

فاتح کون ۲ (۵)

نذیر انبالوی۔ لاہور

''تھوڑی دیر پہلے ہی اکمل برآمدے میں کھیل رہا تھا کہ گندے نالے سے ایک سانپ اس کی طرف بڑھا اور اُس سانپ نے اکمل کو ڈس لیا۔'' اجمل کی بیوی صائمہ نے بتایا۔

''چلو، جلدی کرو! ہم اکمل کو ہسپتال لے کر چلتے ہیں۔ میرا پیارا بیٹا!'' یہ کہہ کر اجمل نے اپنے بیٹے کو اُٹھایا اور چادر بچھا کر اُسے رکشے میں لٹا دیا۔

کچھ دیر بعد وہ ہسپتال کی طرف جا رہے تھے۔ اجمل کو صائمہ پر غصہ آ رہا تھا کہ اس نے کسی کو مدد کے لیے کیوں نہیں بلایا۔ صائمہ نے بتایا کہ گلی والے، بابا سراج کے بیٹے کی شادی میں گئے ہوئے ہیں۔

''بابا سراج، اچھا تو یہ بات ہے!'' اجمل نے رکشے کی رفتار بڑھاتے ہوئے کہا۔

''اگر آپ کے بابا سراج سے تعلقات ٹھیک ہوتے تو ہم بھی شادی میں ہوتے اور ہمارے بیٹے کو سانپ نہ ڈستا۔ آپ تو بابا سراج کی بات بھی سننا گوارا نہیں کرتے، وہ آپ کو سمجھاتے......''

''بس، بس! بہت ہو گئیں بابا سراج کی باتیں، اس کی باتوں پر عمل کرا تو ہم فاقوں مر جائیں گے، ہر وقت ایمان داری کا درس دیتا نظر آتا ہے، اسے تو ایمان داری کا خبط ہے۔ خود تو کبھی کاروبار کیا نہیں، ساری عمر سرکاری نوکری کی ہے، جہاں کام ہی بھلا کیا ہوتا ہے!'' اجمل بولتا چلا گیا۔

''پانی، پانی!'' اکمل کی آواز سُن کر صائمہ اس پر جھک گئی۔

''میں ابھی اپنے بیٹے کو پانی پلاتی ہوں۔ میرا پیارا بیٹا، میرا راج دلارا، میری آنکھوں کا تارا!'' صائمہ نے اپنے بیٹے کی بلائیں لیں۔

پانی پینے کے بعد اکمل پھر بے سُدھ ہو کر لیٹ گیا۔ ٹانگ پر جہاں سانپ نے ڈسا تھا وہاں مضبوطی سے ایک کپڑا باندھ دیا گیا تھا، جس کے باعث ٹانگ نیلی ہو گئی تھی۔

ایمرجنسی میں خاصی بھیڑ تھی۔ ڈینگی بخار میں مبتلا بہت سے مریض وہاں موجود تھے۔ ایک ڈاکٹر نے اکمل کا معاینہ کر کے کہا:

''آپ بروقت آ گئے ہیں، اس لیے خطرے کی کوئی بات نہیں، میں انجکشن لگا رہا ہوں، ساتھ یہ دوا بھی دے رہا ہوں، اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے گا۔''

''اکمل کو داخل کر لیں۔'' اجمل نے کہا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ گھر جایئے، ایک ہفتے بعد آیئے گا۔ اگر اِس دوران میں طبیعت خراب ہو تو فوراً یہاں آ جایئے گا، آپ کا بیٹا الحمدللہ ٹھیک ہے۔'' ڈاکٹر صاحب نے اجمل کو دیکھتے ہوئے کہا۔

☆

غصہ، شر شر اور بے ایمانی سے جدا ہو کر اکیلا شاداب کالونی میں گھوم رہا تھا۔ وہ اپنے شکار کی تلاش میں تھا۔ وہ ناکام ہو کر ملکہ بدی کے دربار میں جانے کے لیے ہرگز تیار نہیں تھا۔ غصہ ایک گلی میں موجود تھا کہ ایک

آٹو رکشا اس گلی میں داخل ہوا۔ ڈرائیور کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ سواری سے خوش نہیں ہے۔

''بھئی، اب اور کتنی دور جانا ہے؟'' ڈرائیور کا جملہ غصے نے بھی سن لیا۔

''بس، وہ بورڈ دیکھ رہے ہو، اس سے بائیں جا کر سیدھا جائیں گے تو سامنے پارک ہوگا، پارک کے دائیں طرف تیسری گلی ہے، بس وہاں تک جانا ہے۔'' رکشے میں سوار ایک آدمی عبداللہ نے بتایا۔

''بھائی صاحب! جھوٹ کی بھی کوئی حد ہوتی ہے، میں آگے نہیں جا رہا۔ سوار ہوتے وقت آپ نے کچھ بتایا تھا اور اَب اتنی دور لے آئے ہیں۔'' رکشا ڈرائیور سرفراز غصیلے انداز میں بولا۔

''جھوٹ میں نہیں تم بول رہے ہو۔ لال پل سے سوار ہوتے وقت میں نے پوچھا تھا کہ ''پارک لین'' کے علاقے سے واقف ہو؟ اس وقت تو تم نے کہا تھا کہ میں اس علاقے کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہاں مکمل پتا تمھیں سمجھایا تھا، اب تمھیں مطلوبہ گلی تک جانا پڑے گا۔'' عبداللہ کا لہجہ بھی تلخ ہو گیا۔

غصہ دونوں کے درمیان آ گیا۔ میدان صاف تھا۔ دونوں میں پہلے تلخ جملوں کا تبادلہ ہوا، پھر وہ دست و گریبان ہو گئے۔ غصہ ان دونوں پر وار کر رہا تھا۔ دونوں اس کی گرفت میں آ گئے تھے۔ جب شور مچا تو آس پاس کے گھروں کے مکین باہر آ گئے۔ معراج صاحب بھی رکشے کے قریب آ گئے۔ وہ عبداللہ کو جانتے تھے، مسجد میں وہ اکثر اُن سے ملتے رہتے تھے۔ عبداللہ کی نظر معراج صاحب پر پڑی تو اُس نے سرفراز کا گریبان چھوڑ دیا۔

''عبداللہ صاحب! کیا ہوا ہے؟'' معراج صاحب نے سوال کیا۔ اس کے جواب میں عبداللہ نے سارا قصہ سنا دیا۔

''بس اتنی سی بات! بھئی، فاصلہ زیادہ ہو گیا ہے نا!؟'' معراج صاحب نے سرفراز کو مخاطب کیا۔ اس نے بھی عبداللہ کا گریبان چھوڑ دیا تھا۔

''جی..... جی ہاں، فاصلہ بہت زیادہ ہو گیا ہے، میں مزید آگے نہیں جاؤں گا۔'' سرفراز ابھی تک غصے میں تھا۔

''اگر تمھیں مزید پیسے مل جائیں تو کیا پھر بھی آگے نہیں جاؤ گے؟'' معراج صاحب نے یہ کہتے ہوئے سرفراز کو بغور دیکھا۔

''پھر تو جی خوشی خوشی جاؤں گا، مسئلہ ہی پیسوں کا ہے۔'' سرفراز نے چہرے پر مصنوعی ہنسی سجاتے ہوئے کہا۔

''تو بتاؤ، مزید کتنے پیسے دوں؟'' معراج صاحب نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''پچاس روپے دے دیجیے۔'' سرفراز کی بات سن کر عبداللہ نے کہا:

''یہ غلط بات ہے۔ میں تمھیں پارک لین کا بتا کر آیا ہوں، اب یہاں آ کر تم مزید پیسوں کا تقاضا کر رہے ہو، نہ میں پیسے دوں گا اور نہ معراج صاحب دیں گے۔''

''عبداللہ صاحب! غصہ تھوک دیں اور معاملہ رفع دفع کریں۔ لو بھئی، پچاس روپے لے لو۔'' معراج صاحب نے پچاس روپے سرفراز کی طرف بڑھائے تو عبداللہ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''آپ رہنے دیں، میں خود اسے پچاس روپے زیادہ دے دوں گا!''

عبداللہ کا یہ جملہ غصے پر بم بن کر گرا۔ اس کی گرفت دونوں پر ڈھیلی پڑتی جا رہی تھی۔ غصے کو معراج صاحب پر بھی غصہ آ رہا تھا۔ ان کی وجہ سے اس کا بنا بنایا کھیل بگڑ گیا تھا۔ جب سرفراز کو پچاس روپے ملے تو سارا جھگڑا ہی ختم ہو گیا۔ سرفراز نے رکشا اسٹارٹ کیا اور عبداللہ کو لے کر گلی نمبر ۳ کی طرف بڑھ گیا۔ سب مکین اپنے اپنے گھروں میں چلے گئے۔ اب اکیلا غصہ گلی میں کھڑا تھا۔ شکار اُس کے ہاتھ سے نکل گئے تھے۔

''میں ہار نہیں مانوں گا، کچھ ایسا کر کے دکھاؤں گا کہ ملکہ بدی خوش ہو جائے گی۔'' غصہ بڑبڑاتے ہوئے بازار کی طرف بڑھ گیا۔ بازار میں کھانے پینے کی دکانوں پر بہت بھیڑ تھی۔ ہوٹلوں میں بیٹھے نوجوان کھانا آنے کا انتظار کرتے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

''نوبل کڑاہی'' میں چار دوست ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ جب گرما گرم کڑاہی ان کے سامنے آئی تو نوجوان اس پر گویا ٹوٹ پڑے۔

''ارے، یہ کیا!؟'' انھوں نے ابھی ایک ہی منہ میں رکھا تھا کہ چاروں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''اس میں سے تو بُو آ رہی ہے۔'' کاشف نے اپنے دوستوں کو مخاطب کیا۔

''ہاں، بہت بُو آ رہی ہے۔'' یہ کہہ کر اعجاز نے لقمہ زمین پر اُگل دیا۔

''اوئے! ادھر آؤ، بات سنو۔'' دانیال نے نہایت بدتمیزی سے بیرے کو بلایا۔

''جی صاحب جی!'' بیرے اختر نے قریب آ کر نہایت ادب سے کہا۔

''صاحب کے بچے! ہوٹل کا مالک کون ہے؟'' دانیال نے چلاتے ہوئے کہا۔

''ہوٹل کے مالک امین صاحب ہیں۔'' اختر بمشکل کہہ پایا۔

''بلاؤ انھیں۔'' کاشف نے بلند آواز میں کہا۔

''وہ تو جی چلے گئے ہیں۔''

اس سے قبل کہ چاروں میں سے کوئی اختر کی بات کا جواب دیتا، کاؤنٹر پر بیٹھے تبسم صاحب نے آگے بڑھ کر پوچھا:

''محترم! کیا مسئلہ ہے؟''

کڑاہی کھا کر دیکھو، پھر تمھیں معلوم ہوجائے گا کہ مسئلہ کیا ہے، کھاؤ اِسے۔'' شہزاد نے تبسم صاحب کو مخاطب کیا۔

''یہ آپ کس لہجے میں بات کر رہے ہیں! بظاہر تو آپ کسی اچھے

خاندان سے معلوم ہو رہے ہیں، خیر کیا ہوا ہے کڑاہی کو؟'' تبسم صاحب نے خود پر قابو رکھتے ہوئے قدرے دھیمے انداز میں کہا۔

غصہ اس وقت وہاں موجود تھا۔ اس کے لیے وار کرنے کا بہترین موقع تھا۔ اس نے چاروں دوستوں کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔

''کڑاہی کھاؤ، پھر بتاؤ مسئلہ کیا ہے۔'' اعجاز نے تبسم صاحب کا گریبان پکڑ لیا۔

''چھوڑو میرا گریبان، میں ابھی تم لوگوں کو دیکھتا ہوں۔'' یہ کہہ کر تبسم صاحب نے اعجاز کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔ اعجاز کو تھپڑ پڑنے کی دیر تھی کہ اس کے دوست تبسم صاحب پر پل پڑے۔ ان کی خوب دُھنائی کی۔

اجمل، صائمہ اور اُکمل کے ساتھ ہسپتال سے نکل کر فوڈ اسٹریٹ میں داخل ہوا تو نوبل کڑاہی پر اِتنا رش تھا کہ وہاں سے آگے جانا ممکن نہ تھا۔

''بھئی، کیا ہوا ہے؟'' اجمل نے ایک رکشا ڈرائیور سے پوچھا۔

''لگتا ہے، کوئی جھگڑا ہوگیا ہے، اب تو واپس بھی نہیں جاسکتے۔ اللہ کرے جھگڑا ختم ہوجائے۔'' رکشا ڈرائیور نے جواب دیا۔

انجکشن لگنے سے اکمل کی حالت قدرے بہتر ہوگئی تھی۔ وہ اپنی ماں کی گود میں سر رکھے سو رہا تھا۔ اسی اثنا میں نوبل کڑاہی سے چاروں دوست بھاگتے ہوئے باہر نکلے، چاروں کے کپڑوں اور ہاتھوں پر خون لگا ہوا تھا۔ اجمل نے بھاگتے ہوئے نوجوانوں کو دیکھا تو کاشف کو دیکھ کر خود کلامی کی:

''یہ تو کاشف ہے، یہ یہاں کیا کر رہا ہے!؟''

(کاشف کون تھا اور اُس کا اجمل سے کیا تعلق تھا؟
یہ جاننے کے لیے پڑھیے اگلی قسط)

خوش خبری

مقابلۂ خوش خطی ۱۶

طلباوطالبات کے لیے انعامات جیتنے کے مواقع

بارہ مہینے
بارہ انعامات

انعامات:

اول آنے پر 1000 روپے / دوم آنے پر 700 روپے

سوم آنے پر 500 روپے

مقابلے میں شریک ہونے کے لیے مندرجہ ذیل فن پارے کو لکھیے۔ جو قاری اس فن پارے کو عمدہ انداز میں لکھنے میں کام یاب ہوگیا، وہ انعام کا حق دار ہوگا۔

تو پھر دیر کس بات کی! اٹھایئے کاغذ اور قلم، کیجیے مشق..... اور ہمیں جلد از جلد ارسال کر دیجیے۔

مقابلے سے متعلق ضروری ہدایات:

☆ کمپیوٹر پیپر (A-4 سائز) صفحہ استعمال کیجیے۔

☆ فن پارے کو لکھنے کے لیے فونٹین پین، پنسل، کٹا ہوا پین اور کٹا ہوا مارکر استعمال کر سکتے ہیں۔

☆ کالی اور نیلی روشنائی استعمال کیجیے، کوئی اور رنگ بالکل استعمال نہ کیجیے۔

☆ صفحے کے چاروں جانب سے تقریباً ایک ایک انچ کا فاصلہ رکھ کر نمونہ تحریر کیجیے۔

زیرِ انتظام
شعبہ خوش خطی، البدر ہائر سیکنڈری اسکول

لا حول ولا قوۃ الا باللہ

نوٹ: فن پارہ ۳۱ دسمبر ۲۰۲۱ء تک ہمیں موصول ہوجانا چاہیے۔ ایک فن پارہ ایک طالب علم کی طرف سے قبول کیا جائے گا۔ کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا، جس پر اعتراض قابل قبول نہیں ہوگا۔ مقررہ تاریخ کے بعد وصول ہونے والے فن پارے مقابلے میں شریک نہیں کیے جاسکیں گے۔

کی چین

تماضر ساجد۔صادق آباد

''کی چینز (Key Chainس)'' سلیقے سے اسٹینڈ پر سجاتے ہوئے وہ رک گیا۔ایک طرف گری ایک کی چین اٹھا کر آنکھوں کے سامنے کر کے اس پر لکھا نام پڑھا، پھر اُسے احتیاط سے ریڑھی پر ایک طرف رکھ دیا۔

اسٹینڈ پر ڈھیر ساری قسما قسم کی، کی چینز لٹک رہی تھیں۔لکڑی کی ان کی چینز پر مختلف نام کھدے تھے۔لوگ آتے، اپنے اپنے نام کی، کی چین پسند کرتے، خریدتے اور لے جاتے۔اس کی اچھی بکری ہوجاتی تھی۔ویسے تو ریڑھی پر مختلف قسم کی کئی چیزیں تھیں، بچیوں کی پنیں، پونیاں وغیرہ، لیکن کی چین کی بات ہی الگ تھی۔اس قسم کی، کی چین مارکیٹ میں نئی آئی تھیں اور بازار میں ابھی تک صرف کچھ جگہوں پر ہی مل رہی تھیں، اس لیے ان کی مانگ بھی زیادہ تھی۔اس کے پاس ناموں کی کافی تعداد بھی تھی۔لوگ اپنے خاندان بھر کے نام والی کی چینز اکٹھی خرید لیتے تھے۔

آج دوپہر ہوگئی تھی۔اس کی نظریں بار بار الگ کی گئی کی چین پر چلی جاتیں۔ اس نے ایک مرتبہ پھر اُسی کی چین کو اُٹھایا اور اُس پر کھدا نام پڑھا: ''رابعہ۔''

رابعہ اس کی اکلوتی بیٹی تھی۔آج صبح رابعہ نے اس سے اپنے نام کی، کی چین کی فرمائش کی تھی، مگر اُس کی بیوی نے اسے ڈانٹ دیا:

''مفت نہیں ملتیں یہ۔''

''اماں! صرف ایک دے دینے سے کیا ہوگا؟'' رابعہ نے منہ بسورا۔

''چل چپ کر جا، آج یہ مانگ رہی ہے، کل کوئی نئی فرمائش کر بیٹھے گی۔'' رابعہ نے ڈانٹ کھا کر ابا کی طرف دیکھا اور اُس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

''ایک دے دینے سے کیا ہوجائے گا؟'' اس نے بیوی کو راضی کرنا چاہا۔

''زیادہ سر پر مت چڑھائیں اسے، پہلے ہی خرچے مشکل سے پورے ہوتے ہیں اور اُوپر سے ان کی فرمائشیں۔آٹھویں میں چلی گئی ہے تو اس کا خرچہ بھی بڑھ گیا ہے۔'' وہ خاموش رہا۔بیٹی کم ہی کچھ مانگتی تھی، لیکن اسے بھی تو انھی چھوٹی چھوٹی چیزوں کا نفع ملتا تھا۔اس نے سوچا کہ اس کی بیوی ٹھیک ہی کہتی ہے، بیٹی کا کیا ہے، کل تک بھول بھال جائے گی۔

وہ چیزوں سے مٹی جھاڑ رہا تھا جب ایک دس گیارہ سالہ بچہ ریڑھی پر آیا۔

''انکل! کی چین لینی ہے۔''

''کس نام کی بیٹا!؟''

''رابعہ۔''

اس کے ہاتھ رک گئے۔

''کس کے لیے لینی ہے؟''

''آپی کے لیے۔'' وہ ریڑھی پر لگی کی چینز میں سے اپنا مطلوبہ نام ڈھونڈتے ہوئے بولا۔

ریڑھی والے نے الگ کرکے رکھی ''کی چین'' اسے پکڑا دی۔

''اوہ، بہت شکریہ انکل!'' اس کی آنکھوں سے جوش ظاہر ہونے لگا۔

''کتنے کی ہے؟''

''پچاس روپے۔'' وہ اسے خاموشی سے گھور رہا تھا۔

بچے نے کی چین احتیاط سے ہاتھ میں پکڑی اور پیسے نکالنے لگا۔

''رہنے دو بیٹا!'' بچے کے ہاتھ رک گئے اور وہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگا۔

''پیسے عزیر کو واپس کر دینا اور اُس سے کہنا کہ بہن کو بھی ان میں سے کچھ دے دے۔'' بچے نے بے اختیار اَپنی زبان دانتوں تلے دبائی اور وہاں سے مڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔

وہ گلی کے نکڑ پر ایک دوسرے بچے کے پاس رُک کر اَپنی سانس درست کرنے لگا۔

دوسرے بچے نے اس کے ہاتھ سے کی چین لے لی اور بولا:

''آرام سے آجاتے، بھاگنے کی کیا ضرورت تھی؟ پچاس روپے میں آگئی نا!؟''

بچے نے پیسے بھی اس کے حوالے کر دیے۔

''ہائیں! کیا پیسے نہیں لیے؟''

''عزیر! یار لگتا ہے کہ تیرے ابو نے تجھے دیکھ لیا تھا۔انھوں نے پیسے نہیں لیے، کہتے ہیں: اسے کہنا، بہن کو بھی چیز میں سے حصہ دے دے۔''

''اوہو۔'' عزیر کھسیا سا گیا۔

''اچھا، کوئی بات نہیں، آپی کو یہ کی چین لینے کا بہت شوق تھا۔میں نے آپی کو تحفہ دینے کے لیے ہی پیسے جمع کیے تھے۔خیر، میرے پیسوں کی بچت ہوگئی۔ چلو، آؤ اب کوئی چیز خرید لیتے ہیں۔''

اور دونوں ایک کریانہ اسٹور کی طرف بڑھ گئے۔

کیا یہ چوری نہیں!؟

شاہد اقبال۔ گوجرانوالہ

موسم بے حد خوش گوار تھا۔ اتوار کا دن تھا۔ میں بھی سرکاری چھٹی کے مزے لے رہا تھا۔ حمزہ ایک کونے میں بیٹھا اپنے لیپ ٹاپ میں مگن تھا۔ ابھی پانچویں جماعت میں آئے اسے چند دِن ہی ہوئے تھے، لیکن ذہانت کی بدولت کمپیوٹر میں ماہر ہوتا جا رہا تھا اور ایک میں تھا جسے کمپیوٹر میں دل چسپی تو بہت تھی، مگر وقت نہ ہونے کے باعث ابھی اپنے بیٹے سے کافی پیچھے تھا۔ اکثر اُس سے پوچھ پوچھ کر میں لیپ ٹاپ استعمال کرتا تھا۔ کئی چیزوں کے متعلق میں ابھی لاعلم تھا۔

چائے پیتے ہوئے میں نے اچانک حمزہ کو مخاطب کیا:

''حمزہ! میرا ایک چھوٹا سا کام کرو گے؟''

''افوہ بابا! اتوار کے دن ہی تو کھیلنے کا وقت ملتا ہے۔'' وہ چڑ گیا، پھر بولا:

''اچھا بتایئے، کیا کام ہے؟''

''میری طرف دھیان دو گے تو کچھ بتاؤں گا نا!''

حمزہ کو لیپ ٹاپ میں گم دیکھ کر میں جھلا اُٹھا۔

''لیں جی، بند ہو گیا لیپ ٹاپ۔'' یہ کہتے ہوئے حمزہ نے چند بٹن دبائے اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

''اب بتایئے، کیا کام ہے۔ میں حاضر ہوں۔''

''آپ ذرا قریب آجایئے، کوئی سن نہ لے، راز کی بات ہے!''

میں نے اسے اشارہ کیا اور وہ تجسس میں گرفتار میرے قریب چلا آیا۔

''آپ کی مدد چاہیے۔ آپ نے تایا ابو کی وہ خاص الماری دیکھی ہے نا جو وہ اپنی خاص اشیا رکھنے کے لیے استعمال کرتے ہیں!''

میں نے بات شروع کی۔

''ہاں، دیکھی تو ہے!؟'' وہ حیرت میں ڈوبتا چلا جا رہا تھا۔ اُلجھن اس کے چہرے پر عیاں تھی۔

''آج میں نے دیکھا ہے کہ وہ اسے تالا لگانا بھول گئے ہیں۔ آپ چپکے سے جاؤ اور اُن کی سنہری جلد والی موٹی سی کتاب نکال لاؤ۔''

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں!'' وہ اُچھل ہی پڑا۔

اس کے وہم وگمان میں بھی یہ نہیں تھا کہ اس کے بابا اسے ایسا کوئی کام کرنے کو کہیں گے۔

''بھئی، جب تک وہ اپنے کام سے لوٹیں گے ہم ان کی کتاب الماری میں واپس رکھ دیں گے، کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی۔ جاؤ شاباش! مجھے اس میں سے کچھ نقل کرنا ہے اور یہ کام صرف دو گھنٹے کا ہے۔''

مم..... مگر بابا! یہ تو چوری ہوئی نا! یہ کام میں کیسے کر سکتا ہوں، اور چوری تو بہت بڑا گناہ ہے۔ یہی سبق آپ نے ہمیں سکھایا ہے اور ہمارے استاد صاحب بھی ہمیں یہی سمجھاتے ہیں کہ چوری بہت غلط کام ہے، پھر..... پھر آپ نے ایسا کیوں کہا؟''

''اوہو، ہمیں کون سے ان کی کتاب کے صفحات چوری کرنے ہیں۔ کتاب واپس بھی تو رکھ دیں گے نا!''

''کسی کی چیز کو اُس کی اجازت کے بغیر اور اُس کے علم میں لائے بغیر لینا یا استعمال کرنا غیر اَخلاقی حرکت ہے۔ میرا دل نہیں مانتا۔''

حمزہ پُرزور انداز میں بولا۔ یہی موقع تھا، لوہا گرم ہو چکا تھا۔ بس ایک چوٹ کی ضرورت تھی۔

''تو جو کام آپ کرتے ہیں، کیا وہ چوری نہیں ہے!''

حمزہ پر گویا دھماکا سا ہوا، وہ دھک سے رہ گیا۔

''کک..... کیا مطلب!؟''

''آپ اپنے لیپ ٹاپ میں وائی فائی (Wifi) کے ذریعے دوسروں کا نیٹ استعمال کرتے ہو، یہ بھی تو چوری ہے نا! سامنے والے گھر کا نیٹ اپنے لیپ ٹاپ پر استعمال کر رہے ہو۔ یہ کیا ہے؟ چوری!؟''

مگر بابا! یہ تو فن کاری ہے۔ اُن کا کوڈ ہیک (Hack) کر کے میں نیٹ استعمال کر رہا ہوں۔ اپنی محنت اور ذہانت سے فائدہ اُٹھا رہا ہوں۔''

حمزہ نے دفاع کرنے کی کوشش کی۔

''مگر کسی کے علم میں لائے بغیر اُس کی چیز استعمال کرنا غیر اَخلاقی حرکت ہے۔''

میں نے اس کی بات اسے ہی لوٹا دی۔ حمزہ چند لمحوں تک کچھ نہ بول سکا۔ آخر کار سوچ کی وادی سے جب وہ نکلا تو بجھا بجھا سا لگ رہا تھا۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں، میں غلطی پر تھا۔ سوری بابا!'' وہ واقعی نادم تھا۔

''شاباش میرے شیر! اپنی غلطی کا اعتراف کرنا بہادروں کا کام ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے اعتراف کر لیا۔ اسی خوشی میں میرا بیٹا انعام کا حق دار بنتا ہے۔ اور وہ یہ کہ آج شام کو ہی ہم اپنا نیٹ کنکشن حاصل کر رہے ہیں۔ کیسا!؟''

ایک دم حمزہ کے چہرے پر جوش اور خوشی کے رنگ بکھر گئے۔

''زندہ باد میرے بابا!''

یہ کہہ کر وہ مجھ سے لپٹ گیا۔ مجھے لگا کہ میرے سر سے کوئی بھاری بوجھ ہٹ گیا ہو۔

بقیہ: سیرت کہانی

''کیا میں تمھیں اس سے بھی زیادہ تعجب والی بات بتاؤں! محمد ﷺ مدینہ منورہ میں لوگوں کو پچھلے زمانے میں گزرے ہوئے لوگوں کے حالات کے بارے میں بتا رہے ہیں۔''

وہ چرواہا بکریوں کے ریوڑوں کو ہنکا کر مدینے لے آیا اور ریوڑ کو ایک طرف چھوڑ کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کو بھیڑیے والا قصہ سنایا۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو جمع کرنے کا حکم فرمایا، پھر لوگوں کے پاس تشریف لائے اور چرواہے سے ارشاد فرمایا کہ بھیڑیے والا واقعہ سب کو سناؤ۔ اس نے سب کو بھیڑیے کے بات کرنے اور اُسے دعوت دینے والا واقعہ سب کو سنایا۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے لوگوں سے ارشاد فرمایا: ''اُس نے سچ کہا اور اِس نے بھی سچ کہا، اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! قیامت قائم نہیں ہوگی، یہاں تک کہ درندے انسانوں سے بات کریں گے اور اِنسان سے اس کے کوڑے کا سرا بات کرے گا اور اُس کے جوتے کا تسمہ اس سے بات کرے گا۔'' (مسند احمد)

.....(جاری ہے).....

قرآنی کوئز ۴ کے درست جوابات

۱ (سورۂ حجر: ۲۲)۔

۲ سات۔

۳ سورۂ فاتحہ۔

۴ سورۂ زمر۔

۵ سورۂ اعلیٰ۔

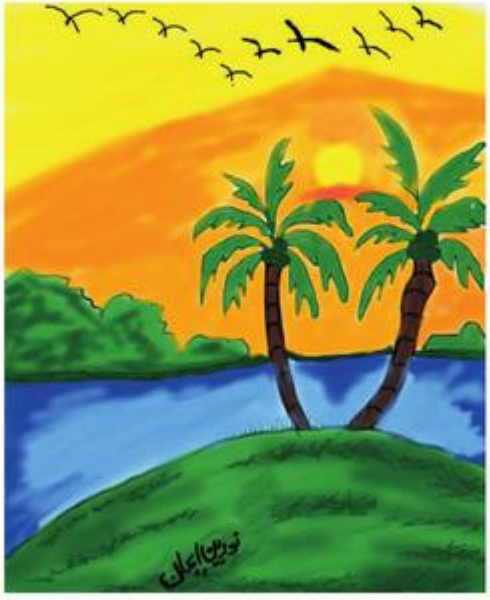

خونی جمناسٹر ۵ (آخری قسط)

محمد واصف شیراز۔ کراچی

ہوٹل کراؤن کے مالک مسٹر اعظم بیٹھے کسی گہری سوچ میں گم تھے کہ دروازے پر کسی نے دستک دی۔ انھوں نے دروازہ کھولا تو انسپکٹر غوری کو پایا۔

''ارے، انسپکٹر صاحب آپ! آیئے۔'' مسٹر اعظم بولے۔

''اعظم صاحب! آپ تو چھپے رستم نکلے۔ پوری سازش کرلی۔ مسٹر عاصم کے بیٹے کو اِغوا کرلیا اور چلے تھے جان لینے اپنے دوست کی، مگر وہ تو خوش قسمت تھے کہ ان کی جان جانے کے بجائے مسٹر فاخر کی جان چلی گئی۔''

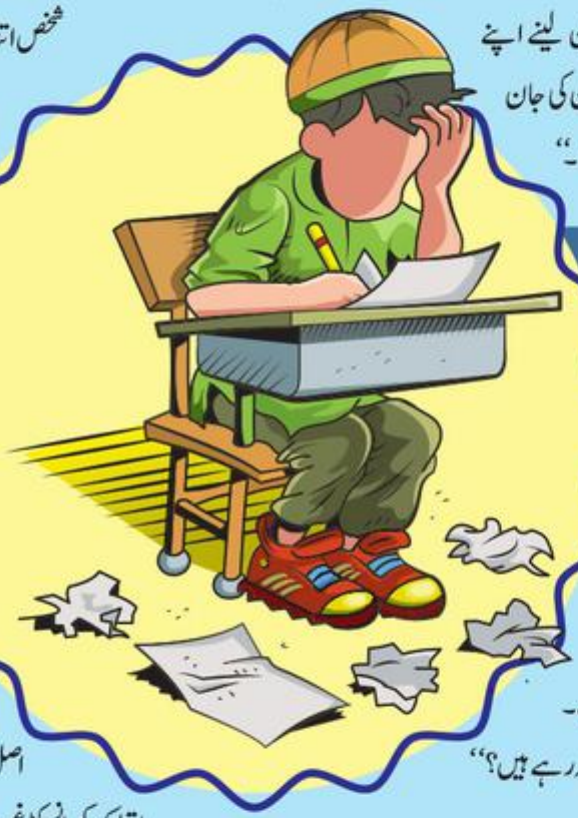

انسپکٹر غوری بولتے چلے گئے۔

''کیا!؟ سر! آپ ٹھیک تو ہیں؟ شاید آپ کو بہت بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔ مجھے کچھ نہیں سمجھ میں آرہا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' مسٹر اعظم بولے۔

''اچھا! اگر آپ نے ارحم کو اِغوا نہیں کرایا تھا تو پھر ارحم نے ان غنڈوں کا جو باس دیکھا تھا، وہ آپ کیوں تھے؟'' سب انسپکٹر کاشف بولے اور مختصراً ساری صورتِ حال انھیں بتادی۔

''سر! میں تو پورا وقت ہوٹل میں ہی تھا، میں کیوں کرنے لگا یہ ساری سازشیں؟'' مسٹر اعظم روہانسے ہوگئے۔

''اچھا! اگر آپ نہیں.....'' انسپکٹر غوری کچھ خیال آتے ہی یک دم چپ ہوگئے۔

''کیا ہوا سر!؟ آپ ایک دم خاموش کیوں ہوگئے؟'' سب انسپکٹر کاشف بولے۔

''کاشف! ایک بات پر تو ہمارا خیال ہی نہیں گیا۔'' انسپکٹر غوری بولے۔

''کس بات پر سر!؟'' سب انسپکٹر کاشف حیرت زدہ لہجے میں بولے۔

''اس بات پر کہ کوئی بھی شخص جس نے اتنی بڑی سازش کی ہو، اپنے اصل چہرے میں کسی بچے کے سامنے کیوں آئے گا؟'' انسپکٹر غوری بولے۔

''میں آپ کی بات نہیں سمجھا سر!'' سب انسپکٹر کاشف بولے۔

''میرا مطلب یہ ہے کہ وہ جو کوئی بھی تھا اس نے مسٹر اعظم کا حلیہ اختیار کیا ہوا تھا، یعنی اس نے مسٹر اعظم کا میک اَپ اپنے اوپر کیا ہوا تھا، کیوں کہ کوئی بھی شخص اتنا بڑا بے وقوف نہیں ہے کہ ایک اغوا شدہ بچے کے سامنے اپنے اصلی چہرے میں آئے، گویا کہ وہ آدمی مسٹر اعظم کا چہرا دِکھا کر مسٹر اعظم کو پھنسانا چاہتا ہے اور مجھے لگ رہا ہے کہ بچے کو اِتنی جلدی چھوڑنے کی بھی یہی وجہ ہے کہ بچہ سب کو غنڈوں کا باس مسٹر اعظم کو بتائے اور ہماری توجہ اصل قاتل سے ہٹ کر دوسری طرف چلی جائے۔''

اتنا کہہ کر انسپکٹر غوری خاموش ہوگئے۔

''اوہ سر! میرا تو اِس طرف دھیان ہی نہیں گیا۔ یہ قاتل جو کوئی بھی ہے، بہت چالاک ہے، بہت زیادہ چالاک۔'' سب انسپکٹر کاشف بولے۔

.....☆.....

''کاشف! ایک کام کرتے ہیں، سکون سے بیٹھ کر پورے کیس کا جائزہ لیتے ہیں۔ کوئی تو غلطی ہم کر رہے ہیں۔'' انسپکٹر غوری بولے اور دونوں انسپکٹر صاحبان کیس کی ایک ایک بات پر غور کرنے لگ گئے۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد انسپکٹر غوری بہت زور سے چونکے۔

''کیا ہوا سر!؟ آپ کیوں چونکے؟''

سب انسپکٹر کاشف بولے اور جس بات سے انسپکٹر غوری چونکے تھے، انھوں نے وہ بات انسپکٹر کاشف کو بتائی۔ سب انسپکٹر کاشف بھی چونکے بغیر نہ رہ سکے۔

''واہ سر! واہ! اس بات نے تو ہمیں مجرم تک پہنچا دیا، کیوں کہ مجرم جو کوئی بھی ہو کوئی نہ کوئی غلطی ضرور کر بیٹھتا ہے۔'' سب انسپکٹر کاشف بولے۔

......☆......

اور پھر اُسی رات دونوں انسپکٹر صاحبان مجرم کے گھر چپکے سے جا گھسے۔ وہاں سے انھوں نے اپنے پاس ایسے ثبوت محفوظ کر لیے جن کی وجہ سے مجرم انھیں جھوٹا قرار نہیں دے سکتا تھا۔

''ٹھک......ٹھک......'' انسپکٹر غوری نے دروازے پر دستک دی تو دو منٹ بعد ہی مجرم ان کے سامنے تھا۔

''ارے ارے، آپ! انسپکٹر صاحب! آیئے آیئے، کہیے، اب اور کیا پوچھنا چاہتے ہیں آپ مجھ سے؟ اور میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟''

''مدد تو ہم کریں گے آپ کی جیل جانے میں، کیوں کہ ہم قاتلوں کو خاص طور پر چالاک جمناسٹر قاتلوں کو آزاد گھومنے نہیں دے سکتے نا!'' سب انسپکٹر کاشف بولے۔

''کیا مطلب!؟'' مجرم بہت زور سے اُچھلا۔

''ارے ارے! مطلب آپ کس بات کا پوچھ رہے ہیں؟ آپ تو چھپے رستم نکلے۔ کیوں، میں ٹھیک تو کہہ رہا ہوں مسٹر جمناسٹر؟ اوہ! میرا مطلب ہے مسٹر عقیل صاحب!'' انسپکٹر غوری بولے۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کون جمناسٹر؟ کون چھپا رستم؟'' مسٹر عقیل ہکا بکا رہ گئے۔

''سچ چھپانے کا اب کوئی فائدہ نہیں، کیوں کہ مجرم کوئی بھی ہو، کوئی نہ کوئی غلطی ضرور کر بیٹھتا ہے۔'' انسپکٹر غوری بولے۔

''اور وہ غلطی یہ تھی کہ ہمیں چاروں کمروں کی گیلریوں کی گرل پر سے ناخنوں کی رگڑ کے نشانات ملے، یعنی کہ 305، 304، 303 اور 302 سے، مگر 302 کے بعد 301 میں ہمیں رگڑ کے نشانات نہیں ملے۔ گویا کہ 302 کے بعد ناخن کے رگڑ کے نشانات ختم۔ اس کا صرف یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ 302 والا آدمی ہی قاتل ہو یا 306 والا، مگر کمرا نمبر 306 تو بند تھا اور 301 کی گیلری کی گرل پر ہمیں کوئی نشانات نہیں ملے اور پھر جب آپ گیلریاں پھلانگ رہے تھے تو رگڑ کے نشانات کے ساتھ ساتھ انگلیوں کے نشانات بھی آ گئے،

پھر ہم نے وہ نشانات آپ کی انگلیوں سے ملا کر دیکھے، جس سے ہمیں سو فی صد یقین ہو گیا کہ گرل پر پائے جانے والے انگلیوں کے نشانات آپ ہی کے ہیں۔ کل رات ہم آپ کے گھر بھی گئے تھے، وہاں ہم نے آپ کے سرٹیفکیٹس (Certificates) دیکھے، جس سے ہمیں مکمل یقین ہو گیا کہ آپ ایک جمناسٹر بھی ہیں۔ اب کچھ آپ بھی بتائیں گے جمناسٹر صاحب!؟''

انسپکٹر غوری نے پوری سچائی بتانے کے بعد کہا۔ مسٹر عقیل نے کہنا شروع کیا: ''میں مسٹر فاخر کے ساتھ ایچ۔وی (H.V) انڈسٹری میں کام کرتا ہوں۔ میں اس انڈسٹری میں پندرہ سال سے ملازمت کر رہا ہوں اور مسٹر فاخر پانچ سال پہلے ہی کمپنی میں آئے ہیں۔ ان کی ہر سال ترقی ہوتی رہتی ہے، جب کہ میری پندرہ سالوں میں صرف دو مرتبہ ہوئی ہے، ابھی انڈسٹری کا ''بہترین آدمی (Best Men)'' کا اِعزاز بھی مسٹر فاخر کو ملا، جس میں انھوں نے پچاس لاکھ روپے وصول کیے۔ میں دن بدن مسٹر فاخر سے چڑنے لگا، پھر پچھلے سال ان کی جو ترقی ہوئی تو وہ مجھ سے بھی آگے نکل گئے، یعنی مجھ سے زیادہ ترقی کر لی اور ایک طرح سے میرے بھی باس بن گئے۔

پھر ایک دن کچھ غلطی کرنے کی بنا پر مجھے انھوں نے پوری انڈسٹری کے سامنے بہت بے عزت کیا۔ میں نے اُسی دن ٹھان لی تھی کہ کچھ بھی ہو، اس کی جان ضرور لے کر رہوں گا۔ ہر سال انڈسٹری کے مالی اور دیگر مسائل کے حل کے لیے ہم اس ہوٹل میں جمع ہوتے ہیں، چوں کہ اعظم میرا دوست ہے، اسی لیے وہ اپنا ہوٹل پیش کر دیتا ہے۔ میں یہاں کے کاؤنٹر کلرک ماسٹر عاصم کو شروع سے جانتا ہوں۔ میں نے اپنے غنڈوں کے ذریعے پہلے مسٹر عاصم کے بیٹے کو اغوا کروایا اور اُن کے گھر پر ساری ہدایات اور گولیاں بھجیں۔ میں نے مسٹر عاصم کے ذریعے سب کو یہ احساس دلانا چاہا کہ میری جان کو خطرہ ہے اور کوئی میرا پُرانا دشمن مجھے جان سے مارنا چاہتا ہے، حالاں کہ میں چاہتا تو مسٹر عاصم کو یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ گولیاں سیدھی مسٹر فاخر کے کمرے میں رکھیں، مگر میں نے جان بوجھ کر ڈرا دھمکا کر مسٹر عاصم سے اپنے کمرے میں وہ زہریلی گولیاں رکھوائیں، تا کہ سب یہ سمجھیں کہ میری جان کو خطرہ ہے۔

مسٹر عاصم کے جاتے ہی میں نے وہ گولیاں اٹھائیں۔ اپنے کمرے سے 303 میں، پھر 303 سے 304 میں اور 304 سے 305 میں، یعنی مسٹر فاخر کے کمرے میں آ گیا۔ گولیاں میں نے ان کے سرہانے رکھ دیں، پھر میں ان کے کمرے کی گیلری پھلانگ کر 304 میں آیا، 304 کی

گیلری پھلانگ کر 303 اور 303 سے اپنے کمرے میں آ گیا۔ کسی کو مجھ پر کوئی شک نہیں ہوا۔ بس غلطی یہ ہوئی کہ میں دستانے پہننا بھول گیا، جس کی وجہ سے میرے ناخنوں اور اُنگلیوں کے نشانات بھی لگ گئے، جس سے آپ مجھ تک پہنچ گئے۔''

مسٹر عقیل نے پوری کہانی سنائی۔

''اب تمھارے وہ غنڈے کہاں ملیں گے جنھوں نے ارحم کو اِغوا کیا تھا؟ اور مسٹر اعظم کو پھنسانے کے لیے ان کا میک اَپ کیا تھا؟'' انسپکٹر غوری بولے۔

''وہ اب آپ کو بڑی چوٹی کی پہاڑیوں میں ملیں گے۔ مجھے خطرہ تھا کہ کہیں آپ ان تک پہنچ کر سچ نہ اُگلوالیں، لہٰذا میں نے ان کا ٹھکانا بھی بدل دیا تھا۔'' مسٹر عقیل بولے۔

''بے وقوف ہے وہ مجرم جو خود کو قانون سے زیادہ عقل مند سمجھتا ہے۔ قتل چاہے جذبات میں کیا گیا ہو یا سوچ سمجھ کر، بہرحال جرم ہے۔'' سب انسپکٹر کاشف بولے۔

''چلو کاشف! اب چلتے ہیں، کیوں کہ ہمیں ان غنڈوں کو بھی تو پکڑنا ہے۔'' انسپکٹر غوری بولے۔

(ختم شد)

سیدھی راہ

حیدر علی حیدر۔ فیصل آباد

نوید بہت اچھا بچہ ہے۔ وہ صبح سویرے نماز اَدا کرنے اپنے ابو کے ساتھ مسجد جاتا ہے۔ نماز کے بعد اُس کے ابو گھر آ جاتے ہیں اور نوید قاری صاحب سے قرآن پاک کا سبق پڑھتا ہے۔

حسبِ معمول آج صبح بھی نوید جلدی اٹھا اور وضو کر کے مسجد چلا گیا، مگر آج اس کے ابو مسجد نہیں گئے، کیوں کہ آج ان کی طبیعت خراب تھی۔ انھوں نے گھر میں ہی نمازِ فجر اَدا کی۔

نوید نے باجماعت نماز اَدا کی اور قاری صاحب سے سبق پڑھنے لگا۔ جب نوید کا سبق **ایاك نعبد و ایاك نستعین** پر آیا تو نوید نے قاری صاحب سے سوال کیا:

نوید: ''استاد جی! **ایاك نعبد و ایاك نستعین** کا مطلب کیا ہے؟''

قاری صاحب ایک لمحے کے لیے نوید کی طرف دیکھنے لگے اور بولے:

''بیٹا نوید! **ایاك نعبد و ایاك نستعین** کا مطلب ہے: اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔'' نوید نے سن کر قاری صاحب کا شکریہ ادا کیا اور اَپنا سبق یاد کرنے لگا۔

اگلی صبح نوید اپنے ابو کے ساتھ مسجد گیا۔ باجماعت نماز ادا کی اور اپنا سبق یاد کرنے لگ گیا۔

قاری صاحب نے ایک ایک بچے سے سبق سننا شروع کیا۔ جب نوید کی باری آئی تو قاری صاحب کہنے لگے:

''آج نوید آپ کو سبق کے ساتھ اس آیت کریمہ کا ترجمہ بھی سنائے گا جو اُس کا آج کا سبق ہے۔''

نوید نے اونچی آواز میں **ایاك نعبد و ایاك نستعین** پڑھا اور اُس کا ترجمہ بھی سنایا۔ قاری صاحب نے نوید کو دس روپے کا نوٹ بطورِ انعام دیا۔

سب بچوں کے سبق سننے کے بعد قاری صاحب نے باری باری سب کو اگلا سبق دیا۔ آج نوید کا سبق **اھدنا الصراط المستقیم** تھا۔ نوید نے آج بھی قاری صاحب سے اس آیت کریمہ کا ترجمہ پوچھا تو اُنھوں نے کہا:

اس کا ترجمہ یہ ہے: ''ہمیں سیدھی اور سچی راہ دکھا دے۔'' نوید دوسری جانب ہو کر سبق یاد کرنے لگا۔ اتنے میں چھٹی کا وقت ہو گیا تھا۔ سب بچے ایک قطار میں مسجد کے دروازے سے نکل رہے تھے۔ تھوڑا سا چلنے کے بعد نوید کو سڑک کنارے پر ایک بوڑھی خاتون بیٹھی نظر آئی۔ نوید نے دور سے دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ تو ہمارے محلے کی نانی بشیراں ہے۔ نوید تیز قدموں سے نانی بشیراں کے پاس آیا اور کہا:

''نانی اماں! یہاں کیوں بیٹھی ہیں؟ کہاں جانا ہے؟'' نانی بشیراں نے کہا:

''پتر نوید! مجھے سڑک کے اس پار جانا ہے، مگر میں یہ سڑک پار نہیں کر سکتی۔''

یہ سن کر نوید نے نانی بشیراں کا ہاتھ پکڑا اور اِحتیاط سے سڑک پار کروانے لگا۔ سڑک پار کروانے کے بعد نانی بشیراں نے نوید کا ماتھا چوما اور دُعا دینے لگی:

''پتر! رب تیرا بھلا کرے، تجھے سیدھی راہ پر چلائے!'' یہ سن کر نوید کے دماغ میں آج کا سبق گونج اٹھا۔ اس کا ترجمہ بھی یہی تھا۔ نوید نے گھر آ کر اَپنے ابو کو آج کے دن کا واقعہ سنایا۔ ابو نے نوید سے کہا:

''بیٹا! کسی کی مدد کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔ آج آپ نے وہ نیکی حاصل کر لی ہے اور سیدھی راہ بھی پالی ہے۔'' ابو کی بات سُن کر نوید

خوش ہوگیا اور دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے لگا، جس نے اسے نیکی کی توفیق عطا فرمائی۔

ایک یادگار دن

حافظ محمد عبدالباسط۔ کراچی

عمران اسکول سے گھر آیا تو اُس نے اپنی امی سے کہا:

''امی جان! کل ۲۵ دسمبر ہے۔ ہمارے ملک کے بانی قائداعظم کی پیدائش کا دن۔ مجھے اسکول میں اس موقع پر ایک مضمون لکھنے کو کہا گیا ہے۔ کیا آپ میری مدد فرمائیں گی؟''

''تم پہلے یونی فارم تبدیل کر کے کھانا کھالو، پھر نماز پڑھنے کے بعد کاغذ قلم لے آؤ اور ضروری باتیں نوٹ کرتے جاؤ۔'' امی جان نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے امی جان!''

نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر وہ کاغذ قلم لے کر آ گیا۔

امی جان نے کہنا شروع کیا:

''عمران بیٹے! ہمارے وطن کے بانی ہمارے دلوں میں زندہ ہیں، کیوں کہ انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے لیے ایک ملک آزاد کروایا۔ ہمیں ان کے کردار کا مطالعہ کرنا چاہیے، تاکہ ہم بھی ملک وملت کے لیے وہ کچھ کر سکیں جس کی انھیں خواہش تھی۔

''امی جان! تو پھر بتائیے ان کے کردار کے متعلق کچھ باتیں؟''

''عمران! ہمارے ملک کے بانی نے گورنر جنرل کی حیثیت سے کبھی بھی گورنمنٹ آف پاکستان (حکومتِ پاکستان) سے تنخواہ نہیں لی تھی، بل کہ اپنی تمام محنت کو ملک کے لیے وقف کیا ہوا تھا۔''

''کیا آپ مجھے ان کی زندگی کا کوئی ایک واقعہ بتا سکتی ہیں؟''

''کیوں نہیں عمران! زندگی کے آخری ایام میں قائداعظم بہت شدید بیمار ہو گئے تھے، لیکن انھوں نے پھر بھی پوری ہمت اور جذبے کے ساتھ اپنے دفتری کام کو جاری رکھا۔ انھوں نے کبھی بھی مناسب آرام نہیں فرمایا۔

ایک دن ان کی بہن ان کے مطالعے والے کمرے میں گئیں۔ کیا دیکھتی ہیں کہ وہ کافی رات گئے تک کام کر رہے ہیں۔ بہن نے ان سے سونے کو کہا تو اُنھوں نے فرمایا:

مجھے کام کرنا ہے، کیوں کہ میری قوم مجھ پر بھروسا کر کے سوئی ہوئی ہے۔''

''امی جان! ہمارے قائد کے متعلق کچھ اور بتائیے؟''

''ہمارے قائداعظم ہمیشہ رات دن کام کرتے رہتے تھے۔ انھوں نے ایک جذبے اور ہمت کے ساتھ اپنی قوم کے لیے کام کیا۔ ان کے اس اصول پر اُنھوں نے پوری زندگی گزار دی۔''

''امی جان! میری تمنا ہے کہ میں اپنے قائد کے کہے ان الفاظ کی پیروی کروں، تاکہ میں بھی ایک اچھا اور دِین وملت کی خدمت کرنے والا پاکستانی بنوں۔''

''عمران! اگر پاکستان کے تمام بچے یہ عزم کر لیں تو یقیناً بہت جلد یہ ایک ترقی یافتہ اور مضبوط ملک بن جائے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ!''

بقیہ: رولر کوسٹر

اس کی پٹڑی پر رولر کوسٹر 240 کلومیٹر فی گھنٹا کی رفتار سے سفر کرتی ہے۔

دنیا کی بلند ترین چوبی رولر کوسٹر جنوبی کوریا کے تھیم پارک ایورلینڈ میں واقع ہے۔ لکڑی کے تختوں پر نصب یہ رولر کوسٹر 183.8 فٹ بلند ہے۔

دنیا کی تیز ترین رولر کوسٹر امریکا کے شہر جیکسن میں واقع تھیم پارک میں واقع ہے۔ یہ رولر کوسٹر 205 کلومیٹر فی گھنٹا کی رفتار سے سفر کرتی ہے۔ طویل ترین رولر کوسٹر اسٹیل ڈریگن 2000 نامی جاپان میں موجود ہے۔ یہ دنیا کی سب سے لمبی رولر کوسٹر ہے، جس کی پٹڑی 8,133 فٹ لمبی ہے۔

حیرت انگیز:

☆ رولر کوسٹر ہمیشہ بیضوی شکل میں گھومتی ہے۔

☆ دنیا میں سب سے زیادہ رولر کوسٹر چین میں ہیں۔

☆ بڑی رولر کوسٹر استعمال سے پہلے تین بار چلائی جاتی ہے۔

☆ پنسلوانیا میں ۱۹۰۲ء میں لکڑی سے بنی رولر کوسٹر اَب تک زیر استعمال ہے۔

☆ امریکا میں پہلے پہل رولر کوسٹر کو کوئلے کی کانوں میں چلایا گیا تھا۔

آیئے جہلم چلتے ہیں

الطاف حسین۔راول پنڈی

جہلم کا تاریخی شہر، صوبہ پنجاب کے دارالحکومت لاہور سے 168 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس شہر کی تاریخ کا پہلا سراغ اس وقت ملتا ہے جب 2400 قبل مسیح کے آغاز میں وسط ایشیا سے آنے والی آریا قوم نے قافلوں کی صورت میں ہجرت کی اور دریائے جہلم کے کنارے اسی مقام پر سکونت اختیار کی جہاں آج کل جہلم کا شہر آباد ہے۔ اس قوم کے کئی قافلے پاکستان کے شمالی مغربی علاقوں میں بھی آباد ہوئے تھے۔

400 قبل مسیح میں ہندو راجا ''پورس'' نے جہلم کی وادی میں اپنی حکومت قائم کی۔ اس دور میں اس شہر کو ''جل ہم'' کہا جاتا تھا۔ سنسکرت زبان میں اس کے معنی ہیں ''میٹھا پانی''۔ بعد میں یہی ''جل ہم''، ''جہلم'' مشہور ہوا۔

326 قبل مسیح میں مشہور یونانی بادشاہ سکندر اعظم اور جہلم کے راجا پورس کے درمیان خوں ریز جنگ ہوئی، جس میں راجا پورس کے ہاتھیوں نے بھی حصہ لیا، لیکن سخت مقابلے کے باوجود راجا پورس کو شکست ہوئی۔ جب یونانی فوج نے زخموں سے چور راجا پورس کو سکندر اعظم کے سامنے پیش کیا تو سکندر اعظم نے اس سے پوچھا:

''بتاؤ، تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟''

راجا پورس نے اثر انگیز جواب دیا:

''جیسا سلوک بادشاہ، بادشاہوں کے ساتھ کرتے ہیں۔''

سکندر اعظم، راجا پورس کے دانش مندانہ جواب سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے جہلم سمیت دیگر کئی مفتوحہ علاقے بھی اپنے بہادر دشمن کے حوالے کر دیے اور اپنے لشکر کے ہم راہ گلی منزل کی طرف کُوچ کر گیا۔

راجا پورس نے سکندر اعظم کے نائب کی حیثیت سے یہاں مزید پانچ سال تک حکومت کی۔ اس کے انتقال کے بعد 322 قبل مسیح میں جہلم خاندان موریہ کی مملکت کا حصہ بنا۔

190 قبل مسیح میں بلخ (افغانستان) کے باختری یونانی بادشاہ ڈیمیٹریوس نے جہلم سمیت دیگر کئی شہروں پر قبضہ کر لیا۔

75 قبل مسیح میں یہ شہر فارس (موجودہ ایران) کے تورانیوں کی مملکت کا حصہ بنا۔ 120ء میں کشان خاندان کے بانی کنشک نے تورانیوں کو شکست دے کر اِقتدار حاصل کر لیا۔

320ء میں کشان خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور گُپت خاندان کے بانی ''چندر گُپت اوّل'' کی حکومت یہاں قائم ہوئی۔

455ء میں وسط ایشیا کی ایک جنگ جُو قوم ''سفید ہن'' نے یہاں اپنا قبضہ جما لیا۔

606ء میں جب ہندوستان میں گُپت خاندان کا آخری حکمراں ''راجا ہرش وردھن'' تخت نشین ہوا تو اُس نے آس پاس کے علاقوں کے حکمرانوں سے اتحاد قائم کر کے اس قوم کو مار بھگایا۔

647ء میں راجا ہرش کے مرنے کے بعد مملکتِ گُپت کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کے بعد یہ علاقہ برہمن راجاؤں کی حکومت میں شامل ہوا اور پھر سلطان محمود غزنوی، شہاب الدین محمد غوری، غیاث الدین بلبن، فیروز شاہ تغلق اور امیر تیمور لنگ گورگانی کے ہاتھوں سے ہوتا ہوا 1526ء میں سلطنتِ مغلیہ کا حصہ بنا۔ اس سلطنت کا بانی ظہیر الدین محمد بابر تھا۔ بابر کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا نصیر الدین محمد ہمایوں تخت نشین ہوا، جسے 1540ء میں فاتح بنگال فرید خان المعروف شیر شاہ سُوری نے شکست دے کر ہندوستان پر قبضہ کر لیا۔

شیر شاہ سُوری نے بیرونی حملوں سے بچاؤ اور خصوصاً مغل بادشاہ نصیر الدین محمد ہمایوں کی واپسی کا راستہ روکنے کی غرض سے ''دینہ'' شہر کے جنوب میں 25، مئی 1542ء کو ایک دفاعی حصار کی بنیاد رکھی، جو ''قلعۂ رُوہتاس'' کے نام سے مشہور ہوا۔

''رُوہتاس''، سنسکرت زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں: ''سفید انڈا''، یہ قلعہ بھی سفید انڈے کی مانند نظر آتا ہے۔ یہ عظیم الشان قلعہ تقریباً چار مربع کلومیٹر رقبے میں پھیلا ہوا ہے۔ اس قلعے کو تین لاکھ کاری گروں اور مزدوروں نے 4 سال 6 ماہ اور 21 دن میں مکمل کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ ان کاری گروں اور مزدوروں کے لیے روزانہ ایک من ہینگ، دال میں بطور دھونی استعمال ہوتی تھی۔ تقریباً 9 سال میں مکمل ہونے والی اس یادگار پر 24 کروڑ، 15 لاکھ، 5 ہزار ''اڑھائی دام'' خرچ ہوئے تھے۔

(نوٹ: ''اڑھائی دام'' اس وقت کی رائج کرنسی کا نام تھا)۔

قلعے کی دیواریں 12.5 میٹر موٹی اور 10 سے 18 میٹر اونچی ہیں، جب کہ فصیل کی لمبائی تقریباً 20 کلومیٹر اور چوڑائی 12 سے 15 میٹر ہے، جس میں

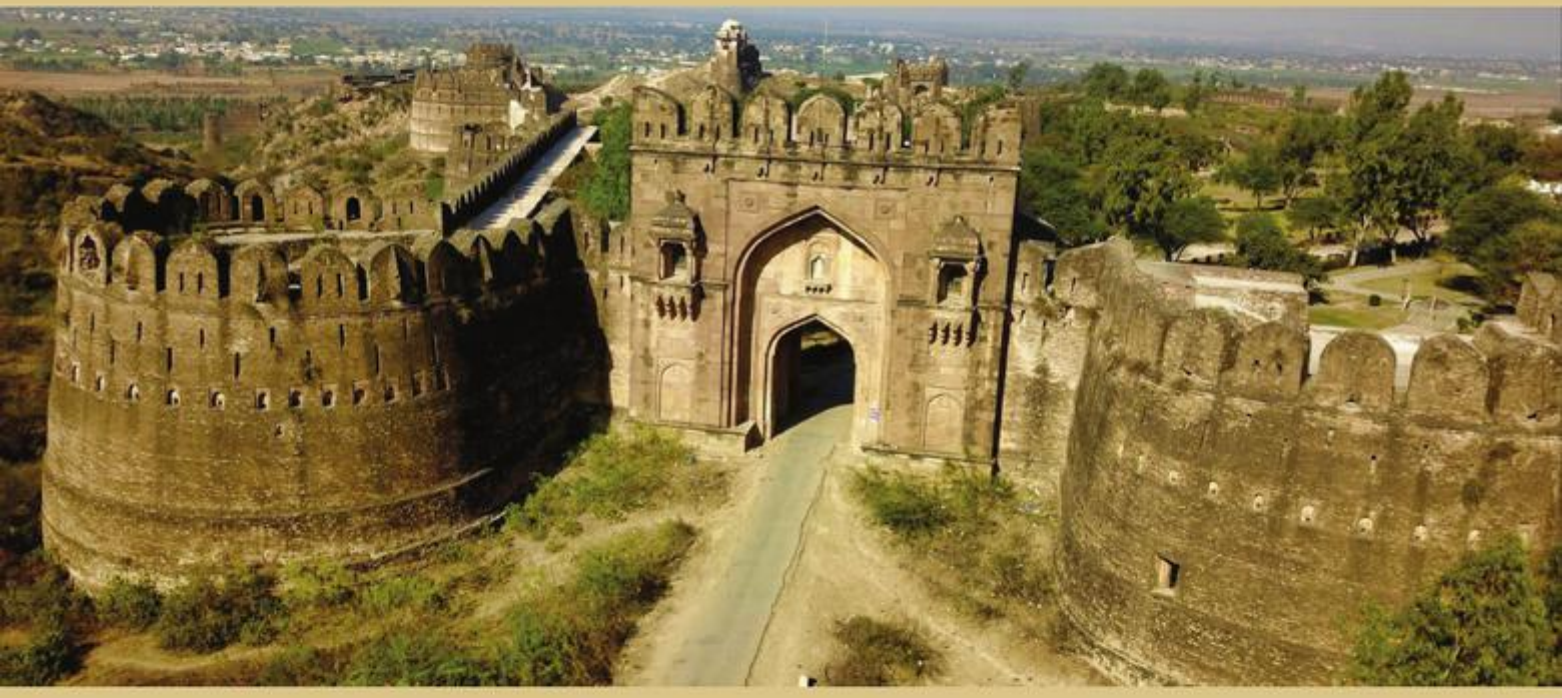

مناسب قطر کے سوراخ ہیں۔ ان سوراخوں سے تیر انداز، دشمن کی فوج پر تیر برساتے تھے۔ بے ترتیب اور بے قاعدہ انداز میں بنائی گئی قلعہ بندیوں اور برجوں کی تعداد 68 ہے۔ 18 ہزار 860 کنگرے، 9 ہزار 500 سیڑھیاں اور طبلِ جنگ بجانے کی جگہوں کی تعداد 5 ہے۔ قلعے کے درمیانی حصے کو 533 میٹر لمبی دیوار کے ذریعے تقسیم کر دیا گیا ہے۔ قلعے میں آمد و رفت کے لیے 7.5 سے 9 میٹر چوڑے اور بلند و بالا 12 دروازے ہیں۔ ان دروازوں کے نام درج ذیل ہیں۔

خواص خانی دروازہ، بادشاہی دروازہ، گٹیالی دروازہ، کشمیری دروازہ، پیپل والا دروازہ، موری دروازہ، شاہ چنن ولی دروازہ، طلاقی دروازہ، کابلی دروازہ، شیشی دروازہ، لنگر خوانی دروازہ، زحل دروازہ۔

قلعہ رُوہتاس کو جہاں تعمیری طور پر مضبوط بنایا گیا وہیں جگہ کے بہترین انتخاب اور اِردگرد موجود قدرتی رکاوٹوں نے اسے دفاعی لحاظ سے مزید مضبوط کر دیا تھا۔ اس کے ایک طرف دریائے تہان، دوسری طرف ایک بڑا برساتی نالہ، تیسری سمت جنگل اور چوتھے رُخ پر مضافاتی علاقے ہیں۔

شیر شاہ سُوری نے ہندوستان میں چاندی کا سکہ جاری کیا اور ڈاک کے نظام کو بھی بہتر بنانے میں اہم کردار کیا۔ اس کے علاوہ شیر شاہ سُوری کے دورِ حکومت کا ایک اہم کارنامہ جرنیلی سڑک ہے، جو سابقہ مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) کے شہر ''چٹاگانگ'' سے شروع ہو کر مشرقی انڈیا اور لاہور سے ہوتی ہوئی افغانستان کے شہر کابل تک جاتی ہے۔ اس سڑک کو ''گرانڈ ٹرنک روڈ'' کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس عظیم الشان شاہ راہ کا دوسرا نام ''جرنیلی سڑک'' ہے۔ اس شاہ راہ کو مختصراً ''جی۔ٹی۔روڈ'' بھی کہا جاتا ہے۔

شیر شاہ سُوری ہندوستان کی ریاست کالنجر کے محاصرے کے دوران میں 22 مئی 1545ء کو شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کے بعد سلیم شاہ سُوری اور اُس کے بعد 1553ء میں فیروز شاہ سُوری نے نظامِ حکومت سنبھالا۔

اُدھر نصیر الدین ہمایوں موقع کی تاک میں تھا۔ جوں ہی اسے حالات سازگار نظر آئے اس نے ایران کے بادشاہ ''شاہ طہماسپ صفوی'' سے فوجی مدد مانگ کر 1555ء میں سُوری سلطنت کے پایہ تخت ''دہلی'' پر حملہ کر دیا اور فیروز شاہ سُوری کو شکست دے سلطنت مغلیہ کا کھویا ہوا اِقتدار

دوبارہ حاصل کرلیا۔

مغلیہ خاندان کے سولھویں بادشاہ اکبر ثانی کے دورِ حکومت میں سکھوں کے ایک سردار رنجیت سنگھ نے موقع پا کر جہلم پر قبضہ کرلیا۔

سکھوں کے بعد یہ شہر 13، اگست 1947ء تک انگریزوں کے قبضے میں رہا۔ 14، اگست 1947ء کو پاکستان وجود میں آیا اور جہلم اپنے صوبے کے ساتھ پاکستان کے حصے میں آیا۔

قیام پاکستان کے بعد جہلم نے صنعت وتجارت، تعلیم وثقافت، زرعی اور معدنی شعبہ جات میں کافی ترقی کی اور آج بھی یہ شہر خوب سے خوب تر کی جستجو میں درخشاں منزل کی جانب رواں دواں ہے۔

جہلم میں سوتی کپڑا، سیمنٹ، آٹا، شیشہ اور شیشے کی مصنوعات اور لوہے کی مصنوعات تیار کرنے کے کارخانے مصروفِ عمل ہیں۔ یہاں تیل صاف کرنے کے کارخانے نہ ہونے کی وجہ سے خام تیل بڑی بڑی پائپ لائنوں کے ذریعے مورگاہ (راول پنڈی) کے آئل ریفائننگ کارخانوں میں منتقل کیا جاتا ہے، جہاں اسے صفائی کے عمل سے گزارنے کے بعد آئل ٹینکروں کے ذریعے ملک کے دیگر شہروں میں پہنچایا جاتا ہے۔

جہلم کی زرعی پیداوار میں گندم، مکئی، جوار، باجرا، چنا، مختلف اقسام کی دالیں اور مونگ پھلی شامل ہے۔ اناج کے علاوہ یہاں مختلف اقسام کے پھل بھی بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ زرعی زمینوں کو پانی دریائے جہلم سے نکالی جانے والی نہروں کے ذریعے فراہم کیا جاتا ہے۔

725 کلومیٹر لمبے دریائے جہلم کی ایک اور خاص بات اس کا 5 ہزار فٹ لمبا معلق پُل ہے۔ 1969ء میں مکمل کیا جانے والا یہ پُل پاکستان کا سب سے پہلا معلق پُل ہے، جب کہ دنیا کے معلق پُلوں میں یہ ساتویں نمبر پر ہے۔

دریائے جہلم کی ایک اور خصوصیت اس پر تعمیر کیا جانے والا منگلا ڈیم ہے۔ یہ ڈیم 380 فٹ بلند ہے۔ بلندی کے لحاظ سے منگلا ڈیم پاکستان کا دوسرا بڑا، جب کہ دنیا کا پینتیسواں بڑا ڈیم ہے۔ نومبر 1967ء میں مکمل ہونے والا منگلا ڈیم نہ صرف بجلی پیدا کرنے کا اہم ذریعہ ہے، بل کہ اسے قابل دید تفریحی مقام کی حیثیت بھی حاصل ہے۔

جہلم نے تعلیم کے شعبے میں بھی نمایاں ترقی کی ہے۔ یہاں متعدد نجی اور سرکاری اسکول اور دینی درس گاہیں قائم کی گئی ہیں۔ آبادی کے لحاظ سے کالجوں کی تعداد قدرے کم ہے۔ یہاں ٹیکنیکل اداروں کے علاوہ ایک ''ملٹری کالج'' بھی قائم کیا گیا، جسے فوجی تعلیم وتربیت کی مثالی درس گاہ کا درجہ حاصل ہے۔

جہلم کی سرزمین معدنی دولت سے مالا مال ہے۔ یہاں کوئلہ، چونے کا پتھر اور جپسم کے ذخائر دریافت ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ اس علاقے کی اہم دولت ''نمک'' ہے۔

پنڈ دادن خان سے 5 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ''کھیوڑہ'' کا پہاڑی علاقہ نمک کے ذخائر کے حوالے سے عالم گیر شہرت کا حامل ہے۔ اس کی نمک کی کانیں 86 مربع میل رقبے میں پھیلی ہوئی ہیں، جن کی گہرائی 1500 فٹ تک ہے۔ رقبے اور پیداوار کے لحاظ سے کھیوڑہ کی نمک کی کانیں دنیا کی بڑی کانوں میں دوسرے نمبر پر ہیں۔ ان کانوں سے روزانہ 27,000 من نمک نکالا جاتا ہے جو 99.8 فی صد خالص ہوتا ہے۔

1876ء میں انگریزوں نے اردگرد کے علاقوں سے کان کنی کے پیشے سے وابستہ لوگوں کو جمع کر کے کھیوڑہ کے نزدیک آباد کیا اور اُس کے بعد اُن لوگوں کی مدد سے کھیوڑہ سے باقاعدہ نمک نکالنے کا آغاز ہوا۔

1886ء میں چک نظام کے مقام پر ٹرام کی پٹڑی بچھائی گئی، یوں یہ علاقہ تحصیل ''ملک وال'' کے ذریعے ملک سے مربوط ہوا اور نمک کی ترسیل کا کام پہلے سے زیادہ آسان ہوگیا۔ 1890ء تک پُورے پاک وہند کا سارا علاقہ کھیوڑہ کا ''نمک خوار'' بن چکا تھا۔ انگریزوں نے نمک کی کانوں کی حفاظت اور کان کنوں کے تحفظ کے لیے مؤثر اقدامات بھی کیے۔

آیئے، اب ہم آپ کو کھیوڑہ کی ''نمکیاتی دنیا'' میں لیے چلتے ہیں جو حیرت انگیز بھی ہے اور قابل دید بھی۔

استقبالیہ کاؤنٹر سے ٹکٹ اور داخلہ پاس لینے کے بعد آپ ''مائننگ ایریا'' یعنی کان کنی کے علاقے تک رسائی حاصل کرسکتے ہیں۔ اس حیران کن سفر میں قدم قدم پر آپ کی راہ نمائی کے لیے ایک گائیڈ بھی آپ کا ہم سفر ہوگا جو نمک کی کان کے اندر دِکھائی دینے والی چیزوں کے بارے میں آپ کو معلومات فراہم کرتا رہے گا۔ سب سے پہلے آپ ''ورکنگ ایریا'' میں داخل ہوں گے، جس میں بہت سے پائپ اور متحرک مشینیں بھی نظر آئیں گی۔ ان پائپوں کے ذریعے کان کے اندر جمع ہونے والا کیمیائی پانی باہر نکالا جاتا ہے، جسے ''برائن لوشن'' کہا جاتا ہے۔ یہ پانی کپڑے دھونے کے سوڈے اور دیگر کیمیکلز کی تیاری میں استعمال ہوتا ہے۔

''ورکنگ ایریا'' میں کان کن، آٹھ آٹھ گھنٹے کی تین شفٹوں میں دن رات مصروفِ عمل رہتے ہیں۔ ان کے کام کی 15 منزلیں ہیں۔ جن میں 11 منزلیں سطح زمین کے نیچے اور 4 منزلیں زمین کی سطح کے اوپر ہیں۔ یہ کان کن انگریزوں کے دورِ حکومت سے یہاں نسل در نسل کام کرتے چلے آرہے ہیں۔

انھیں بھی سرکاری ملازمین کی طرح پانی، بجلی، گیس اور علاج کی سہولتیں میسر ہیں۔ یہ جفاکش لوگ بیک وقت کان کے سولہ مقامات

سے نمک نکالتے ہیں۔ کان کے اندر نمک کی ہر سرنگ سے 40 سے 50 فٹ تک نمک نکالنے کے بعد اتنا نمک چھوڑ دیا جاتا ہے جو نمک کے پہاڑ کے اندر ستون کا کام دے سکے۔

''ٹورسٹ ایریا'' میں داخل ہوتے ہی آپ خود کو ایک لمبی سی سُرنگ میں موجود پائیں گے۔ آپ جیسے جیسے اس سُرنگ میں آگے بڑھتے جائیں گے یہ سُرنگ گہرائی میں اترتی چلی جائے گی۔ راستے میں جگہ جگہ جلنے والے بلبوں کی مدھم روشنی ماحول کو خاصا پُراسرار بنا دیتی ہے۔ یہ سُرنگ ایک کشادہ راستے پر جا کر ختم ہو جاتی ہے۔

2.5 مربع میل رقبے میں پھیلے ہوئے ٹورسٹ ایریا میں نمکیاتی کمرے بنے ہوئے ہیں، جو یہاں سے نمک نکالنے کے باعث وجود میں آئے ہیں۔ ان کمروں کے علاوہ آپ کو یہاں تالاب بھی دکھائی دیں گے جو راہ داری کے اردگرد واقع ہیں۔ ان تالابوں میں موجود نمکیاتی پانی، نمک کی چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں سے رِستے نمک کی وجہ سے جمع ہوتا ہے۔ نمک کے یہ تالاب پہلی نظر میں خاصے ہیبت ناک دکھائی دیتے ہیں۔ ان تالابوں میں ایک تالاب سب سے بڑا ہے، جس کا نام ''بحر الکاہل'' ہے۔ اس تالاب کی لمبائی 220 فٹ اور چوڑائی 70 فٹ ہے، جب کہ اس کی گہرائی 70 فٹ سے 75 فٹ تک ہے۔

راہ داری میں کچھ دور تک چلنے کے بعد ایک چوراہا آتا ہے۔ یہاں آپ کو پٹڑی بھی دکھائی دے گی اور اِس چوراہے کا نام ''لالہ موسیٰ جنکشن'' لکھا نظر آئے گا۔ یہاں سے نمک نکالا جاتا ہے اور مال گاڑی کے ذریعے کان سے باہر منتقل کیا جاتا ہے۔

کچا راستہ ختم ہونے کے بعد آپ ایک بار پھر خود کو نمک کی چھت کے نیچے موجود پائیں گے۔ یہاں فرش بھی نمک کا بنا ہوا ہے۔ اس نمکیاتی راستے میں سب سے پہلے جو چیز آپ کا استقبال کرے گی اس کا نام ''مزدوروں کی مسجد'' ہے۔ دنیا کی یہ انوکھی مسجد پتھر، اینٹ اور سیمنٹ کے بجائے مکمل طور پر نمک سے بنائی گئی ہے۔ اس مسجد کی تعمیر میں کھیوڑہ کی نمک کی کان سے نکلنے والا اعلیٰ درجے کا نمک استعمال کیا گیا ہے، جسے ''شیشہ نمک'' کہا جاتا ہے۔ یہ نمکیاتی مسجد جس چوک پر واقع ہے اسے ''چاندنی چوک'' کا نام دیا گیا ہے۔

نمک کی کان کے اندر نمک اور پانی کے ملاپ سے قدرتی طور پر تخلیق ہونے والی دل چسپ شبیہات بھی آپ کی توجہ اپنی جانب مبذول کراتی ہیں۔ ''اشکِ نمک''، ''فراقِ نمک''، ''آہِ نمک'' وغیرہ ان دل کش نظاروں کے نام ہیں جو نمک کی چھت سے مسلسل گرنے والے پانی کے قطروں سے وجود میں آئے ہیں۔ یہاں سے آگے چلیں تو ''انگوری باغ'' آتا ہے۔

''انگوری باغ'' اور وہ بھی نمک کی کان کے اندر!؟ ہمیں پتا تھا کہ یہ نام پڑھ کر آپ ضرور حیران ہوں گے۔ جناب! یہ کوئی انگور کا باغ نہیں ہے، بل کہ یہاں نمکین پانی جم کر انگور کی شکل میں چھت سے چپک گیا ہے۔ اسی وجہ سے اس جگہ کو ''انگوری باغ'' کا نام دیا گیا ہے۔

ٹورسٹ ایریا میں ایسے کئی دل چسپ اور عجیب و غریب منظر اور اُن کے نام نظر آئیں گے۔ یہاں دکھائی دینے والے ہر منظر اور اُس کے نام کے حوالے سے دل چسپ کہانیاں بھی بنائی گئی ہیں جو سننے سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کہانیوں کا بنیادی مقصد سیاحوں کی دل چسپی کو بڑھانا اور کان کے اندر

پائے جانے والی پُراسراریت کی وجہ سے ان کے دل و دماغ میں پیدا ہونے والے خوف اور خدشات کو کم کرنا ہوتا ہے۔

''انگوری باغ'' سے آگے ایک وسیع و عریض چوک آتا ہے جس کا نام ''بھائی چوک'' ہے۔ اس چوک کی چھت کی اونچائی 235 فٹ ہے۔ اس کے قریب ہی ایک بہت بڑا کمرا ہے، جسے ''اسمبلی ہال'' کا نام دیا گیا ہے۔ اس کمرے کی اونچائی 300 فٹ ہے۔ 200 سال سے زائد عرصہ پُرانے اس ہال نما کمرے میں نہایت نفاست سے 500 سیڑھیاں بنائی گئی ہیں۔ جو کمرے کی چھت کے راستے اوپر کی منزل تک جاتی ہیں۔ ''اسمبلی ہال'' سے آپ کو ایک تنگ سا راستہ نکلتا دکھائی دے گا۔ بغیر ستونوں کی اس پُرخطر راہ گزر کے دونوں جانب نمک کے تالاب واقع ہیں۔ اس پُل کو نہایت احتیاط سے عبور کرنے کے بعد آپ کان کے سب سے خوب صورت حصے میں داخل ہوں گے، جس کا نام ''شیش محل'' ہے۔ اس مقام کو یہ نام اس وجہ سے دیا گیا ہے کہ اس کا نمک شیشے کی طرح صاف اور شفاف ہے۔ ''شیش محل'' کے ایک طرف چھوٹی سی سُرنگ واقع ہے۔ اس سُرنگ کا درجۂ حرارت گرمی کے موسم میں کان کے دیگر حصوں کے مقابلے میں خاصا کم ہوتا ہے، جب کہ سردی کے موسم میں اس سُرنگ کا درجہ حرارت بڑھ جاتا ہے۔

نمک کی اس کان کے آخری سرے پر ایک بہت بڑا تالاب واقع ہے، جس کا نام ''میوزک سینٹر'' ہے۔ یہاں اگر آپ کسی سے کوئی بات کریں تو اُس کی گونج سنائی دیتی ہے اور یہی اس کے نام کی وجہ تسمیہ ہے۔

روزانہ سیکڑوں سیاح اس حیرت انگیز ''نمکیاتی دنیا'' کو دیکھنے آتے ہیں اور واپسی پر کھیوڑہ کی اس عظیم نمک کی کان کی ناقابلِ فراموش یادیں ان کی ہم سفر ہوتی ہیں۔

ہمیں یقین ہے کہ ''نمکیاتی دنیا'' کے بارے میں اتنا کچھ جاننے کے بعد آپ کے دل میں بھی اس حیرت انگیز دنیا کو دیکھنے کی تمنا مچل رہی ہوگی! تو پھر دیر کس بات کی! آج ہی اپنے دوستوں سے رابطہ کیجیے یا پھر اگر آپ چھوٹے ہیں تو اپنے والدین اور بڑوں کے ساتھ پروگرام بنائیے اور اِس حیرت انگیز دنیا کو دیکھنے کے لیے روانہ ہو جائیے۔

علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

ماہ نامہ

ذوق و شوق

کراچی

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ العالی
کی زیر سرپرستی الحمدللہ گزشتہ ۱۵ برس سے مسلسل شائع ہو رہا ہے۔

اس شمارے میں بچوں/بچیوں کے لیے تعلیم، تربیت اور تفریح سے بھرپور مواد ہوتا ہے، جس کا بچوں/بچیوں کو انتظار رہتا ہے۔ یہ رسالہ بچوں کے ادب میں ایک منفرد مقام رکھتا ہے اور ملک میں شائع ہونے والے بچوں کے رسالوں میں ایک امتیازی شان کا حامل ہے۔

اگر آپ اپنے بچوں/بچیوں کو فی زمانہ چھوٹی بڑی اسکرین سے بچانے کے لیے کسی متبادل کی تلاش میں ہیں تو ماہ نامہ ذوق وشوق کافی حد تک آپ کی امیدوں پر پورا اُتر سکتا ہے۔

اس کے لیے آپ اپنے نام، مکمل ڈاک کے پتے اور جس ماہ سے رسالہ جاری کروانا ہے اس ماہ کا نام لکھ کر صرف ہزار (1000/=) روپے جمع کروائیں اور ہر ماہ، ماہ نامہ ''ذوق وشوق'' گھر بیٹھے حاصل کریں۔

خط و کتاب کا پتا:
ماہ نامہ ذوق وشوق، کراچی
پی۔او۔بکس نمبر: 17984
گلشن اقبال، کراچی۔
پوسٹ کوڈ: 75300
ذوق شوق/Zouq shouq
zouqshouq@hotmail.com

(شمارے کی قیمت بڑھنے کی صورت میں سالانہ خریداری کی رقم میں اضافہ ہوسکتا ہے۔)

سالانہ خریداری کے لیے چار ذرائع سے آپ رقم جمع کروا سکتے ہیں:

1 منی آرڈر کے ذریعے۔
اس کے لیے ہمارا پتا ہے: ماہ نامہ ذوق وشوق، کراچی، پی۔او۔بکس نمبر: 17984، گلشن اقبال، کراچی۔ پوسٹ کوڈ: 75300

2 بینک اکاؤنٹ کے ذریعے۔ بینک اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کے لیے ہمارا میزان بینک اکاؤنٹ یہ ہے:
اکاؤنٹ ٹائٹل: Bait ul ilm Trust Zouq o Shouq اکاؤنٹ نمبر: 0179-0103431456
(نوٹ: بینک اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کی رسید آپ ہمیں اس نمبر پر (0324-2028753) واٹس ایپ کردیں۔)

3 دستی۔
دفتر میں آکر رقم جمع کروانے کے لیے ہمارا پتا ہے: مدرسہ بیت العلم، ST-9E، نزد الحمد مسجد، گلشن اقبال بلاک ۸، کراچی
(نوٹ: دستی رقم جمع کرواتے وقت سالانہ خریداری فارم ضرور پُر کریں۔)

4 جازکیش کے ذریعے۔
اپنی سالانہ خریداری کی رقم اس نمبر پر بھیج 03
(نوٹ: رقم جمع کروانے کے بعد اس نمبر پر مطلع کردیں۔)

کوپن برائے
بلاعنوان ۱۷۲

نام: ____________ ولدیت: ____________

مکمل پتا: ____________

فون نمبر: ____________

کوپن برائے
ذوقِ معلومات ۱۷

نام: ____________ ولدیت: ____________

مکمل پتا: ____________

فون نمبر: ____________

سوال آدھا جواب آدھا ۲۷

نام: ____________ ولدیت: ____________

مکمل پتا: ____________

فون نمبر: ____________

مقابلۂ خوش خطی ۱۶

نام: ____________ ولدیت: ____________

مکمل پتا: ____________

فون نمبر: ____________

ہدایات: جوابات ۳۱، دسمبر ۲۰۲۱ء تک ہمیں موصول ہو جانے چاہییں...... ☆ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا......

☆ کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ مقررہ تاریخ کے بعد موصول ہونے والے جوابات قرعہ اندازی میں شامل نہیں کیے جائیں گے۔

بیت العلم
BAIT UL ILM

کراچی انٹرنیشنل بک فیئر

30 دسمبر 2021 سے 3 جنوری 2022

درسی، اصلاحی اور کہانیوں

کی کتابوں پر شان دار بچت

بمقام : ایکسپو سینٹر، کراچی

ماہ نامہ ذوق وشوق کے پرانے رسائل
انتہائی کم قیمت پر دست یاب ہوں گے۔

ہے ناں مزے کی بات!

MBI
MAKTABA BAIT-UL-ILM

MaktabaBaitulilm
Website : www.mbi.com.pk
0309-2228089, 021-32726509

سلسلہ

تحفۃ الدعاء

دعا عظیم نعمت اور انمول تحفہ ہے، دعا اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس سے راز و نیاز کا ذریعہ ہے، دعا مایوسی میں امید کی کرن ہے، دعا کے ذریعے ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے تمام مسائل حل کروا سکتے ہیں، اس دنیا میں کوئی بھی انسان کسی بھی حال میں دعا سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔

اسی فکر کے پیشِ نظر "مکتبہ بیت العلم" نے تحفۃ الدعا سیریز کے نام سے ایک سلسلہ شروع کیا ہے۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! اس سیریز کے چھ حصے شائع ہو چکے ہیں۔

MaktabaBaitulilm

بیت العلم

Karachi Ph : 021-32726509
Lahore Ph : 042-37112356
www.mbi.com.pk